علامّہ اقبال
اور
اُن کے بعض احباب

محمّد صدیق

*

بزمِ اقبال ۰ لاہور

تحقیقاتِ اقبال

علامّہ اقبال
اور
اُن کے بعض احباب

محمّد صدیق

بزمِ اقبال ○ کلب روڈ ○ لاہور

علامہ اقبال اور ان کے بعض احباب

جملہ حقوق محفوظ

○

طبع اول : اگست ۱۹۸۸ء

تعداد : گیارہ سو

قیمت : [redacted] روپے

طابع : ایس - ایم اظہر رضوی

مطبع : اظہر سنز پرنٹرز ، ۱۰۸ - لٹن روڈ ، لاہور

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
اعزازی معتمد ، بزم اقبال ، لاہور

انتساب

استاذی ڈاکٹر وحید قریشی

کے

نام

عرض ناشر

تحقیقات اقبال ـــ ایک نئے سلسلۂ مطبوعات کا آغاز ہے ۔ اس کے تحت علامہ اقبال پر تحقیقی مقالات شائع ہوں گے ۔ ان میں سابق میں ہونے والی تحقیقات کو یک جا کر کے شائع کرنے کا منصوبہ بھی شامل ہے ۔ حیات اقبال کے حوالے سے جتنا تحقیقی سرمایہ ادھر اُدھر بکھرا پڑا تھا اسے مختلف عنوانات کے تحت شائع کیا جائے گا ؛ مثلاً علامہ اقبال کی تاریخ ولادت ، علامہ کی تعلیمی زندگی وغیرہ ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ نئے تحقیقی مقالے بھی شائع ہوں گے۔ ''اقبال پر تحقیقی مقالے'' کے عنوان سے ڈاکٹر صدیق جاوید کے مقالے شائع کیے جا چکے ہیں ۔ پروفیسر محمد صدیق کے زیر نظر مقالات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں ۔ اسی طرح ''احوال و آثار اقبال'' جلد دوم (از ڈاکٹر پروفیسر محمد باقر) بھی عنقریب نذر قارئین ہوگی ۔

ڈاکٹر وحید قریشی

معتمد اعزازی

پیش لفظ

اسلامیہ کالج سول لائنز کے پروفیسر محمد صدیق نے اپنے سات مقالے منتخب کرکے کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیے پیش کیے ہیں۔ یہ مختلف جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ پہلا مقالہ علامہ اقبال کی زندگی کے اس حصے سے تعلق رکھتا ہے۔ جو انھوں نے اسلامیہ کالج میں گزاری یا اسلامیہ کالج کی تدریسی، تعلیمی، انتظامی یا تعمیری سرگرمیوں میں وہ شریک رہے۔ اس مضمون سے کئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی کتاب "کلاسیکی ادب کا تحلیقی مطالعہ" میں ایک مضمون اس سلسلے میں پہلے شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر مضمون کے کئی مفید اضافوں نے پہلے مضمون کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

۲۔ دوسرا مقالہ "علامہ اقبال کے ذاتی کتب خانے کا تفصیلی جائزہ" ہے علامہ اقبال نے اپنی طویل علالت کے دوران ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ایک وصیت تحریر کی تھی کہ ان کی ذاتی لائبریری کی تمام مطبوعہ انگریزی کتب اسلامیہ کالج لاہور کو بطور تحفہ دے دی جائیں۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد ۱۹۳۹ء میں علم و دانش کا یہ ذخیرہ اسلامیہ کالج کے حوالے کر دیا گیا۔ اس میں فلسفہ، ہیگل ازم، الٰہیات، نفسیات، دین اسلام، مختلف مذاہب عالم، سیاسیات اقتصادیات، قانون، تصوف، تعلیم، لغت، نظریۂ اضافیت، آئن سٹائن، ڈارون ازم، طبیعات، کیمیا، جنرل سائنس، مختلف زبانوں کی ادبیات، جغرافیہ، سفرنامہ اور اقوام عالم کی کتابیں شامل ہیں۔ اس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں

تو فلسفہ اور لٹریچر وغیرہ کی کتابیں ہیں یہ بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے - اس میں ان کتابوں کا بطور خاص ذکر ہے جو حضرت علامہ کے مطالعے میں ہیں اور ان پر علامہ نے جگہ جگہ ضروری حواشی اور نوٹ لکھے -

۳ - اس مضمون کا دوسرا حصہ ذاتی لائبریری کی ان قانونی کتب پر مشتمل ہے جو دیگر انگریزی کتابوں کے ساتھ غلطی سے در آئی تھیں - ان قانونی کتابوں کے جائزے میں بہت محنت کی گئی ہے اور مضمون نگار نے کتابوں کی ورق گردانی کے بعد ان صفحوں کی نشاندہی بھی کی ہے جن پر علامہ نے حواشی اور نوٹ وغیرہ لکھے ہیں - علامہ کے تمام انگریزی حواشی اور نوٹ جوں کے توں نقل کر دیے ہیں -

۴ - چوتھا مضمون "اقبال اور ابوالخیر عبداللہ" ہے - موصوف پنجاب یونیورسٹی کے گولڈ میڈلسٹ رہنے کے بعد اسلامیہ کالج سول لائن کے لیکچرار ہو گئے تھے - وہ اقبال کے مداحوں میں شامل تھے ، ان کی اکثر صحبتوں میں شریک رہے تھے - علامہ کو عظیم عاشق رسول[۳] اور انسانیت کا نجات دہندہ سمجھتے تھے مگر افسوس کہ وہ حضرت علامہ سے اپنی ملاقاتوں اور صحبتوں کا حال قلمبند نہ کر سکے - ورنہ یہ یادداشتیں عمدہ دستاویز ثابت ہوتیں -

۵ - اقبال اور مسینون پانچواں مقالہ ہے جس میں اس مشہور فرانسیسی سکالر اور مستشرق کا تعارف کرایا گیا ہے جس نے منصور حلاج کی مشہور تصنیف کتاب الطواسین مرتب کی اور اس پر پرمغز نوٹ لکھے - اقبال اس کے مداح تھے اور دوسری گول میز کانفرنس سے واپس آتے ہوئے اس سے ملاقات بھی کی تھی اور آخر وقت تک اس سے اپنا علمی تعلق قائم رکھا تھا -

۶ - شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لاء جو شیخ عبدالقادر کے ولایت جانے کے بعد مخزن کے ایڈیٹر ہو گئے تھے ، اقبال کے بھی ذاتی دوست تھے - اقبال وقتاً فوقتاً ان سے ملتے رہتے تھے مگر ان کی ملاقاتوں میں کوئی علمی پہلو نظر نہیں آتا -

۷ ۔ سردار امراؤ سنگھ شیر گل مجیٹھیا اقبال کے ان دوستوں میں سے تھے جو انگریزی ، فارسی ، سنسکرت اور دیگر کئی زبانوں کے ماہر تھے ۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں سے مل کر ان کی کتاب "A voice from the East" کے لیے اقبال کی کئی اردو نظموں کو انگریزی میں ڈھالا تھا اور اقبال کو انگریزی جوانوں تک پہنچایا تھا ۔ انھوں نے دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سے واپسی کے وقت اقبال کو مشہور فرانسیسی مستشرق مسینون سے انھی ملایا تھا ۔ یہ مضمون کئی لحاظ سے بہت اہم ہے ۔

۱۲ جنوری ۱۹۸۸ء

محمد عبداللہ قریشی

تشکر

ان مقالات کی تحریر کے دوران مجھے بہت سے مشکل مراحل کا سامنا کرنا پڑا ۔ ان مشکلات کو حل کرنے میں جن ملکی اور غیر ملکی اہل علم نے میری مدد فرمائی ان کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے ۔ خاص طور پر الگلستان کی مس Barbara Bates لاظم امور طلبا لنکنزان ، سر ڈاکٹر سریندر سنگھ مجیٹھیا گورکھپور بھارت اور حکیم عبدالسلام نظامی دہلوی ، دہلی ، بھارت کا تہہ دل سے ممنون ہوں ۔ میں محترمی احمد ندیم قاسمی صاحب کا بے حد احسان مند ہوں جن کی ہمت افزائی نے مجھے اس قابل کیا کہ میں یہ مجموعہ آپ کی نذر کر رہا ہوں ۔ استاذی وحید قریشی صاحب کی شفقت ، محبت اور رہنمائی میری متاع زیست ہے ۔

مفید مشوروں کے لیے برادرم محمد حنیف اور اپنے رفقائے کار منیر احمد نعیم ، نذیر احمد ، خلیل حسین منہاس ، عزیزم محمد علی اور عزیزی ثوبیہ بانو کا شکر گذار ہوں ۔

محمد صدیق
استاد شعبۂ اردو
اسلامیہ کالج سول لائنز
لاہور

فہرست

		صفحہ
علامہ اقبال اور اسلامیہ کالج لاہور	مجلہ اقبال : ارمغان اقبال لاہور اکتوبر ۱۹۷۹ء	... ۱۵
علامہ اقبال کا ذاتی کتب خانہ	ارگ نو ، وفاق گورنمنٹ کالج کراچی	... ۳۹
علامہ اقبال کے ذاتی کتب خانے میں چند قانونی کتابیں	صحیفہ ، مجلس ترقی ادب لاہور مارچ - اپریل ۱۹۷۹ء	... ۶۱
علامہ اقبال اور پروفیسر ابوالخیر عبداللہ	المعارف ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ستمبر ۱۹۷۹ء	... ۸۳
علامہ اقبال اور مسینون	المعارف ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور اپریل ۱۹۷۹ء	... ۹۶
علامہ اقبال اور بیرسٹر شیخ محمد اکرم (نائب مدیر مخزن)	سیارہ ڈائجسٹ ، لاہور نومبر ۱۹۸۴ء	... ۱۰۶
علامہ اقبال اور سردار امراؤ سنگھ شیر گل مجھٹھیا	مجلہ فنون ، لاہور اکتوبر ۱۹۷۹ء	... ۱۱۵

علامہ اقبال اور اسلامیہ کالج لاہور

انگریزوں نے برصغیر پر اپنے دورِ اقتدار میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو غدر کے نام سے شہرت دی۔ ان کے عہد حکومت میں اسلام اور مسلمانوں کو بہت سے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مسیحی مشنری اسلام پر حملے کر رہے تھے کیونکہ انگریزوں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت چھینی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو سیاسی شکست کے ساتھ ہی معاشرتی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی طور پر بھی ختم کر دیا جائے ورنہ وہ کسی بھی وقت ان کے خلاف اٹھ سکتے ہیں۔ اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بہت سے دیگر اقدامات کے علاوہ انھوں نے انگریزی تعلیم کا بھی آغاز کیا۔ مسلمان علمائے دین اور راہ نماؤں نے ان کے ارادوں کو بھانپ لیا اور اس لیے ان کی روک تھام کے لیے اقدامات کی طرف متوجہ ہوئے۔ سرسید احمد خان انگریزی تعلیم کو قومی ترقی کے لیے ضروری تصور کرتے تھے مگر یہ امر بھی ان کے پیشِ نظر تھا کہ مشنری سکولوں اور سرکاری کالجوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے نوجوانوں اور بچوں کے اسلامی عقائد پر برا اثر پڑ سکتا ہے اس لیے انھوں نے مسلمانانِ برصغیر کی تعلیمی اور فکری ترقی کے لیے ایک جامع منصوبہ مرتب کیا۔ اس منصوبے کی ایک شاخ تعلیم تھی۔ انھوں نے ایک سکول قائم کیا جس میں مروجہ انگریزی علوم کے علاوہ دینی تعلیم ضروری اور لازمی تھی۔ یہی سکول ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج اور ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شکل اختیار کر گیا۔

سرسید احمد خان مرحوم و مغفور کا یہ منصوبہ بہت بار آور ثابت ہوا۔ اس کے نتائج بہت عمدہ برآمد ہوئے اور اسی کے اتباع میں برصغیر

کے مسلمانوں نے ملک کے طول و عرض میں بہت سی تعلیمی درس گاہیں قائم کیں ۔ ان درس گاہوں کی تعلیمی اور دینی خدمات برِصغیر میں مسلم نشاۃ ثانیہ کی تاریخ میں سنہری حروف میں مرقوم ہیں ۔ انھوں نے مسلمان طلبا کے لیے یونیورسٹی کی مقررہ نصابی اور درسی تعلیم کے علاوہ اسلاف کی دینی ، علمی ، سیاسی ، اخلاقی اور ثقافتی میراث کے ابلاغ کا بہترین انتظام کیا ۔ ان کی خدمات کی انجام دہی میں وسائل کا فقدان ، ان مخلص ، ہمدرد اور حساس راہ نماؤں کا دامن گیر نہ ہو سکا ۔

اسلامیہ کالج لاہور بھی ان درس گاہوں میں سے ایک ہے ۔ اس عظیم درس گاہ کو ہر دور میں عظیم، معروف اور نابغۂ روزگار شخصیات کا عملی تعاون حاصل رہا ہے ۔ ان میں سے ایک علامہ اقبال بھی تھے ۔ اس مقالے میں علامہ اقبال اور اسلامیہ کالج کے تعلق کا ذکر مقصود ہے کیونکہ علامہ اقبال ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اس ادارے کو موزوں ترین درس گاہ خیال کرتے تھے ۔

علامہ اقبال کو اس کالج سے گہری دل بستگی تھی ۔ آپ اس کو مسلمانوں کی عظیم تعلیمی درس گاہ تصور کرتے تھے ۔ آپ اس کی تعمیر و ترقی ، انتظامی امور اور تعلیمی سرگرمیوں میں ذوق و شوق سے بھرپور حصہ لیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ تا دمِ آخر جاری رہا ۔ آپ انجمن کے مختلف عہدوں پر ۱۱ نومبر ۱۸۹۹ء سے یکم جولائی ۱۹۳۷ء تک فائز رہے ۔ انجمن کے سالانہ اجلاس میں ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۶ء تک ہر سال باقاعدگی سے (قیامِ یورپ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا تین سالہ عرصہ چھوڑ کر) اپنی تازہ نظموں سے مسلمانوں کے دل گرماتے رہے ۔ انھوں نے ۲۴ فروری ۱۹۰۰ء کو انجمن کے پندرھویں سالانہ جلسے میں پہلی بار شریک ہو کر اپنی معروف نظم ''نالۂ یتیم'' پڑھی اور ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو آخری مرتبہ شریک جلسہ ہوئے اور '' نغمۂ سرمدی'' سے سامعین کو نوازا ۔

علامہ اقبال نے کالج کے انتظامی معاملات میں قابلِ قدر اور پر خلوص خدمات انجام دیں ۔ میاں فضل حسین ، سیکریٹری کالج کمیٹی کی عدم

موجودگی میں ۲۶ جولائی ۱۹۱۰ء کو کالج کمیٹی کا جو اجلاس ہوا ، اس میں آپ کو سیکرٹری مقرر کیا گیا ۔ اس زمانے میں سر محمد شفیع ، بار ایٹ لا، کالج کمیٹی کے چیئرمین ، میاں فضل حسین ، سیکرٹری اور علامہ اقبال رکن تھے ۔ اس تقرر کی توثیق ۱۱ ستمبر ۱۹۱۰ء کے جنرل کونسل کے اجلاس میں کی گئی[۱] ۔

کالج کمیٹی نے ۱۵ ستمبر ۱۹۱۰ء کو اسلامیہ کالج کی تحقیقات کے لیے ایک نو رکنی کمیٹی کے قیام کی سفارش کی اور انجمن کی جنرل کونسل نے ۲۵ ستمبر ۱۹۱۰ء کو اس کی توثیق کی ۔ علامہ اس سب کمیٹی کے رکن تھے ۔ اس سب کمیٹی کے ذمے کالج کے معاملات کی چھان پھٹک اور ان کی رپورٹ مرتب کرنا تھا[۲] ۔

۱۷ دسمبر ۱۹۱۰ء کو کالج کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ایک چار رکنی ''قواعد کمیٹی'' تشکیل دی گئی ۔ علامہ اقبال اس کے سیکرٹری تھے ۔ جنرل کونسل نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو اس تقرر کی توثیق کی[۳] ۔

علامہ اقبال ، اسلامیہ کالج کی تعمیر کے سلسلے میں بھی گہری دلچسپی لیا کرتے تھے اور آپ کے مشوروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔ ستمبر ۱۹۱۰ء میں کالج کی دو برجیاں تعمیر کروانے اور کتبوں کا مسودہ تیار کروانے کے لیے جو نو رکنی سب کمیٹی مقرر ہوئی ، آپ اس کے رکن نامزد ہوئے[۴] ۔

مئی ۱۹۱۵ء میں علامہ اقبال کی کالج کمیٹی میں رکنیت کی میعاد ختم ہونے پر ۲۳ مئی ۱۹۱۵ء کے جنرل کونسل کے اجلاس میں اس رکنیت میں مزید توسیع کی گئی[۵] ۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا اور اسلامیہ کالج ہوسٹل کے لیے قطعہ اراضی کی خرید کا مسئلہ پیش ہوا تو علامہ اقبال نے فرمایا :

'' آج کا خاص اجلاس صرف اس غرض سے منعقد کیا گیا ہے کہ ہوسٹل کے لیے جس اراضی کے خریدے جانے کا گزشتہ اجلاس کونسل

میں ذکر آیا تھا اور بوجہ کمی سرمایہ کے جس کا خریدنا سرِ دست ملتوی کیا گیا تھا ، مزید غور کے لیے آپ کے سامنے دوبارہ پیش کیا جاتا ہے ۔ تحریک اس امر کی ہے کہ گراؤنڈ کا وہ حصہ جو کیلیاں والی سڑک سے ملحق ہے اور جس کا رقبہ تین کنال بنتا ہے ، فروخت کیا جائے اور زرِ فروخت اور کچھ رقم سرمایۂ انجمن سے لے کر میاں دین محمد خلف الرشید میاں غلام رسول ، سوداگر چوب سے کھڈ والی زمین ہوسٹل کی توسیع کے لیے خریدی جائے[۶]" ۔

چنانچہ طویل بحث اور غور و فکر کے بعد کثرت رائے سے قرار پایا کہ گراؤنڈ والی زمین کی فروخت سے گراؤنڈ اور کالج کو نقصان ہوگا ۔ مطلوبہ تین کنال زمین کی خرید کے لیے انجمن تمام اخراجات مہیا کرے اور اس کام کے لیے ایک سب کمیٹی تشکیل دی گئی ۔ اس نے اپنی رپورٹ پیش کی اور اس پر غور و فکر کے لیے ۱۷ فروری ۱۹۲۱ء کو جنرل کونسل کا اجلاس ہوا اور علامہ اقبال نے بحیثیت سیکرٹری انجمن رپورٹ پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوئی اور زمین کی خرید کے لیے ایک چھ رکنی سب کمیٹی تشکیل دی گئی تا کہ وہ زمین کے خریدنے کا انتظام کرے[۷] ۔

اسلامیہ کالج کی عمارات کی تعمیر و تکمیل کے لیے نواب بہاول پور نے پچھتر ہزار روپے کی رقم کا عطیہ دیا ۔ اس امر کی طرف علامہ اقبال نے انجمن کے چھیالیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء میں ، جس کی صدارت نواب آف بہاول پور سر صادق علی عباسی خامس کر رہے تھے ، مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا :

"۱۹۰۸ء میں دولت عالیہ اسلامیہ بہاول پور کی طرف سے پچھتر ہزار روپے کی خطیر رقم مرحمت فرمائی گئی ۔ آج کالج کی شان دار عمارت کا پورا ایک بازو بہاول پور ونگ کہلاتا ہے ۔ مسلمانان پنجاب اس عطیۂ خسروانہ کو جو اس ونگ کی صورت میں ہمیشہ قائم رہے گا کبھی فراموش نہیں کر سکتے[۸]" ۔

اسلامیہ کالج کا حبیبیہ ہال اس قدر خوش نصیب ہے کہ بے شمار عظیم مذہبی ، علمی ، سیاسی ، سماجی اور ادبی شخصیات کی آواز کو اپنے در و دیوار میں جذب کیے ہوئے ہے ان شخصیات میں حضرت علامہ بھی شامل ہیں ۔ اس ہال میں منعقد ہونے والے بہت سے جلسوں میں انہوں نے شرکت کی اور کئی ایک اجلاس کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیے ۔

۱۸ فروری ۱۹۱۲ء کو اس ہال میں علامہ اقبال کی زیرِ صدارت ایک جلسہ عام منعقد[9] ہوا ۔ اس میں مسٹر گوکھلے کے مسودۂ تعلیم لازمی، جو انہوں نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کیا تھا ، کی حمایت کی گئی ۔ علامہ اقبال نے اس مسودے کے حق میں قرارداد منظور کروائی ۔

۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء کو اسی ہال میں شیخ عبدالقادر کی صدارت میں ایک جلسے میں انہوں نے ایک انگریزی مضمون "The Idea of Ijtihad in the law of Islam" (" اجتہاد فی الاسلام") پڑھا ۔ یہی مضمون بعد میں خطبات اقبال کی ابتدا ثابت ہوا اور خطبات کا چھٹا خطبہ اسی موضوع پر ہے ۔ گویا خطبات کا آغاز بھی اسی ہال میں ہوا [10]۔

۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو حبیبیہ ہال میں ایک عظیم الشان جلسے کی صدارت علامہ اقبال نے کی ۔ اس میں مرزا بشیر الدین محمود (۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء - ۸ نومبر ۱۹۶۵ء) نے مذہب اور سائنس کے موضوع پر تقریر کی ۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اس جلسے کے متعلق رقم طراز ہیں :

"ایک دفعہ سیکرٹری ایجوکیشنل یونین ، مسٹر محمد اعظم نے کوشش کرکے مرزا بشیر الدین محمود قادیانی کو آمادہ کر لیا کہ وہ اس یونین کے جلسے میں 'مذہب اور سائنس کے موضوع پر ایک لیکچر دیں ۔ مجھے مجبور کیا گیا کہ میں حضرت علامہ کو اس جلسے کی صدارت پر آمادہ کروں ۔ چنانچہ میں مسٹر محمد اعظم کو اپنے ہمراہ علامہ کے پاس لے گیا ۔ اس نے علامہ سے درخواست کی اور آپ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور طے پایا کہ ۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو

علامہ صدارت کریں گے ۔ ان دنوں آپ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی منتخب ہو چکے تھے'' ۔

علامہ اقبال نے اپنی صدارتی تقریر میں مندرجہ ذیل مختصر الفاظ میں مرزا بشیر الدین کی تقریر کے موضوع پر روشنی ڈالی :

''مذہب ، فلسفہ ، طبیعیات اور دیگر علوم و فنون سب کے سب مختلف راستے ہیں جو ایک ہی منزلِ مقصود پر جا کر ختم ہوتے ہیں ۔ مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہیں کیونکہ سائنس یعنی علومِ جدیدہ اور فنونِ حاضرہ کے باب کھولنے والے تو مسلمان ہی ہیں اور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا اور علوم کی بنیاد نظریات اور قیاسات پر رکھنے کے طریق کو مسترد کرنے کی تعلیم دی اور یہی بات علومِ جدیدہ کی پیدائش کا موجب ہوئی ۔

'' ڈاکٹر ولیم جان ڈریپر کی مشہور و معروف کتاب ' معرکہ' مذہب و سائنس' (ترجمہ از مولانا ظفر علی خان) اصل میں مذہب اور سائنس کی ہنگامہ آرائی کی مظہر نہیں ، بلکہ عیسائیت اور سائنس کے تصادم کی تاریخ ہے ۔ اس تصادم کی وجہ یہ تھی کہ یورپ کے علما و حکما مسلمانوں کی علمی ترقی سے متاثر ہوئے تو اہلِ فرنگ کے خیالات میں زبردست انقلاب پیدا ہونے لگا اور رومن کیتھولک مذہب والے اس علمی انقلاب سے متصادم ہوئے ۔ ڈاکٹر ڈریپر نے اسی انقلاب کی تاریخ لکھی ۔

''سائنس اور مذہب کے تصادم کا خیال غیر اسلامی ہے ۔ قرآن کریم کے ہر صفحے پر انسان کو مشاہدے اور تجربے کے ذریعے علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور منتہائے نظر یہ بتایا گیا ہے کہ قوائے فطرت کو مسخر کیا جائے ۔ چنانچہ قرآن پاک تو صاف الفاظ میں انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر وہ قوائے فطرت پر غلبہ حاصل کر لے گا تو ستاروں سے بھی پرے پہنچنے کے قابل ہو جائے گا'' ۔

"مسلمانوں میں فرقۂ معتزلہ اور دیگر فرقوں کے درمیان جو تنازعہ پیدا ہوا تھا وہ اس قسم کا نہ تھا جو یورپ کے روشن دماغ علما اور تاریک خیال پادریوں کے درمیان پیدا ہوا بلکہ وہ تو ایک علمی بحث تھی، جس کا موضوع محض یہ تھا کہ ہمیں الہامی کلام ربانی کو عقلِ انسانی کے معیار پر پرکھنے کا حق حاصل ہے یا نہیں[۱۲]"۔

علامہ اقبال اسلامیہ کالج کی مختلف علمی، ادبی اور سائنسی سوسائٹیوں کے اجلاس میں بھی ذوق و شوق سے شریک ہوا کرتے تھے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۳۰ء کو کالج کی فلاسفی سوسائٹی کے سالانہ مباحثے کی صدارت آپ ہی نے کی تھی۔ یہ مباحثہ ایک یادگار مباحثہ تھا جو رات سات بجے حبیبیہ ہال میں منعقد ہوا۔ اس میں لاہور کے مختلف کالجوں کے ہندو، سکھ اور مسلمان پروفیسر صاحبان نے حصہ لیا۔ بحث کے اختتام پر حضرت علامہ نے قریباً ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اس جلسے کی کارروائی کا ذکر "کریسنٹ"[۱۳] میں مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہے:

The most interesting discussion which was arranged by us during the session, was a debate held in the Habibia Hall on the 23rd of March at 7 p. m. The subject of the debate was : "In the Opinion of the House, Philosophy and Science Suffice to Discard Religion for Moral and Spiritual Perfection," Dr. Sir Mohammad Iqbal very kindly consented to preside.

"It was a lively debate though not very philosophical. But the concluding speech of Dr. Sir Mohammad Iqbal amply made up the deficiency. He spoke for nearly an hour, and though the subject was very abstruse, such was the charm of his expression that the audience remained spell-bound, picking up all that fell from the lips of the sage with the greed of a hermit on fast".

علامہ اقبال اس کالج کو عظیم الشان تعلیمی درس گاہ تصور کرتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام کے چھیالیسویں سالانہ اجلاس ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اپنی روایتی شان و شوکت سے منعقد ہوئے۔ ۲۷ دسمبر کو نواب سر صادق علی، والی بہاول پور نے افتتاحی جلسے کی صدارت کی علامہ اقبال نے ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں کالج کا ذکر کیا:

"اس (انجمن) کا ایک عظیم الشان کالج ہے[۱۴]"۔

علامہ اقبال اسلامیہ کالج میں درس و تدریس کے منصب جلیلہ پر بھی فائز رہے۔ خلیفہ عماد الدین کالج کے انسپکٹر تھے۔ وہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۰ء کو دو ماہ کی رخصت پر گئے تو علامہ اقبال ان کی جگہ انسپکٹر مقرر ہوئے[۱۵]۔ خلیفہ صاحب ۲۸ مئی ۱۹۰۰ء کے بجائے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو اپنے عہدے پر واپس آئے[۱۶] اس عرصے میں علامہ اقبال اس کام کو بخوبی انجام دیتے رہے۔

آپ اس کالج کے شعبۂ انگریزی اور شعبۂ فلسفہ سے بھی منسلک رہ کر طلبا کو مستفیض کرتے رہے۔ جب پروفیسر شیخ عبدالقادر، شعبۂ انگریزی رخصت پر گئے تو ان کی جگہ آپ طلبا کو ادبیات انگریزی کا درس دیتے رہے۔ آپ کا تقرر بحیثیت پروفیسر یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو عمل میں آیا اور ۳۰ جون ۱۹۰۱ء چھ ماہ تک آپ اس عہدے پر فائز رہے[۱۷]۔ علامہ اقبال کی استادانہ وجاہت اور علمی تبحر کے متعلق شیخ عظیم اللہ رقم طراز ہیں:

"اتفاق سے اس کے بعد ہی سر عبدالقادر صاحب جو ان دنوں صرف شیخ عبدالقادر کے نام سے اخبار "آبزرور" (Observer) کے ایڈیٹر اور اسلامیہ کالج کے پروفیسر تھے، کالج سے ہفتہ عشرہ کی رخصت پر گئے اور اس دوران میں شیخ محمد اقبال صاحب نے ان کے بجائے پروفیسری کے فرائض انجام دیے۔ اس سال ایف۔ اے کے انگریزی نصاب میں ایک کتاب موسومہ Seekers of God (متلاشیانِ خدا)

داخل تھی جس میں زمانہ قبل از مسیح کے تین حکما کی سرگزشتیں درج ہیں اور پادری مصنف نے ہر ایک کے آخر میں ان متلاشیان حق کے بعض مشہور اقوال کا انجیل کی آیات سے مقابلہ کیا ہوا تھا لیکن علامہ نے جب قرآن مجید سے ایسی آیات جو تمام ایسے اقوال سے قریباً مطابق تھیں ، پیش کیں اور یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ قرآنی آیات ان تمام اقوال و آیات سے بدرجہا افضل و ہر نوع اکمل ہیں تو طلبا کے دل پر ان کے تبحر علمی و دینی کا بہت گہرا اثر ہوا ۔ مجھے ابتدا ہی سے تہذیب نو کی روشنی میں اسلامی مسائل کی تحقیق کا شوق تھا ۔ اس لیے میں انھی دنوں سے اپنے اس عارضی استاد کا گرویدہ ہو گیا ۱۸ "۔

خلیفہ شجاع الدین مرحوم اسلامیہ کالج کے تعلیم یافتہ تھے ۔ جب آپ ایف ۔ اے کے طالب علم تھے، اس زمانے میں علامہ اقبال کچھ عرصے کے لیے ان کی کلاس کو ادبیات انگریزی کی تدریس کرتے رہے ہیں ۔ آپ اپنے زمانۂ طالب علمی کی یاد داشتوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال کے علمی تبحر کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں :

"شیخ عبدالقادر ان دنوں اخبار " آبزرور " کے ایڈیٹر اور اسلامیہ کالج میں ادبیات انگریزی کے پروفیسر تھے ۔ انھیں چند روز کی رخصت لینی پڑی تو ان کی جگہ اقبال مرحوم یہ فرائض انجام دیتے رہے ۔ میں ان دنوں ایف ۔ اے کا طالب علم تھا ۔ نصاب میں Seekers After Good یعنی متلاشیان حق کے نام سے ایک کتاب شامل تھی ، جس میں زمانہ قبل از مسیح کے تین حکما کے بعض اقوال کا موازنہ انجیل کی آیات سے کیا لیکن علامہ مرحوم نے کلام پاک کی ان آیات سے ان اقوال کی تشریح کی جو ان کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں ۔ موازنہ کے دوران میں آپ یہ بھی ثابت کرتے جاتے تھے کہ قرآن کی آیات ان اقوال سے بدرجہا افضل اور ہر نوع اکمل ہیں ۔ اسلامیہ کالج کی چند روزہ پروفیسری نے ہی آپ کے تبحر علمی کا سکہ بٹھا دیا ۱۹ "۔

۱۹۱۸ء میں کالج کے شعبۂ فلسفہ کے استاد پروفیسر ہیگ[۲۰] (Dr. W. Wassey Hague) اچانک اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے تو علامہ اقبال ، ایم . اے فلسفہ کے طلبا کو دو ماہ تک فلسفہ کی تدریس کرتے رہے ۔ اکبر الہ آبادی (۱۸۴۶ء - ۱۹۲۱ء) کو ایک خط میں رقم طراز ہیں :

" آج کل معمول سے زیادہ مصروفیت ہے ۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر فلسفہ ڈاکٹر ہیگ چیچک کی بیماری سے دفعۃً انتقال کر گئے اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے اصرار پر دو ماہ کے لیے کالج کے ایم ۔ اے کی جماعت مجھ کو لینی پڑی ۔ امید ہے دو ماہ تک نیا پروفیسر مل جائے گا[۲۱] " ۔

اس عظیم درس گاہ میں نہ صرف علامہ اقبال بلکہ ان کے فرزند آفتاب اقبال (۱۸۹۹ء - ۱۹۷۹ء) بھی درس و تدریس کے منصب جلیلہ پر فائز رہے ۔ ۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو کالج کے پرنسپل خواجہ دل محمد (۱۸۸۴ء - ۱۹۶۱ء) نے سال اول دیگر طلبا کو اپنے افتتاحی خطاب میں درس گاہ کے اساتذہ اور دوسرے عملے کا تعارف کراتے وقت مندرجہ ذیل الفاظ میں آفتاب اقبال کا تعارف کروایا :

"Mr. Aftab Iqbal, M. A. (London). Bar-at-Law — The illustrious son of illustrious father Dr. Sir Mohammad Iqbal of revered memory. He is a keen scholar, fluent speaker and an eloquent writer. We welcome him in our midst, and trust that the high hopes which we associate with his personality will be realised in the fullest measure and you, my dear pupils, will get ample opportunity to benefit from his ripe scholarship. [22] "

تدریسی ذمہ داریوں کے علاوہ آفتاب اقبال کو کالج یونین کا صدر بھی مقرر کیا گیا کالج میگزین "کریسنٹ" میں اس کا ذکر موجود ہے :

"COLLEGE UNION.

Professor Aftab Iqbal, M. A (London), has been made President[23]".

تحریک خلافت میں طلبائے اسلامیہ کالج کا کردار ناقابل فراموش تاریخی حقیقت ہے مگر ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات نے زور پکڑا تو وہ دور اسلامیہ کالج کی تاریخ کا بہت نازک اور آزمائش کا تھا کیونکہ اس تحریک کے پروگرام میں نہ صرف انگریزی عدالتوں انگریزی کونسلوں اور انگریزی ملازمتوں سے بلکہ یونیورسٹی سے ملحق درس گاہوں سے بھی مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا اس زمانے میں نواب ذوالفقار علی انجمن کے صدر اور علامہ اقبال جنرل سیکرٹری تھے۔ انھوں نے اس قومی ادارے کو تباہی سے بچانے کے لیے بے مثال خدمات انجام دیں۔

تحریکِ ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لیے برِ صغیر کے مسلمان غالب اکثریت میں متحد تھے۔ اسلامیہ کالج کے طلبا بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پنجاب یونیورسٹی سے کالج کا الحاق ختم کر دیا جائے اور کالج کو جو سالانہ تیس ہزار روپے سرکاری گرانٹ ملتی ہے اس کی وصولی بند کر دی جائے یعنی ان کی خواہش تھی کہ کالج کو سرکاری دباؤ سے آزاد کرایا جائے۔

یہ بہت ہی ابتلا اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ ان نازک اور حساس حالات میں کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن نے اس تحریک کے خلاف سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بیان بازی شروع کر دی اور کالج کے پروفیسر مولوی حاکم علی بی۔ اے نے فتویٰ دیا "کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے"۔[۲۴] کالج کے ارباب حل و عقد بھی اس مصلحت کی بنا پر کہ مسلمان طلبا کا تعلیمی زیاں نہ ہو، کیونکہ مسلمان پہلے ہی تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ تھے، نہ صرف یونیورسٹی سے الحاق کے خواہاں تھے بلکہ سرکاری امداد بھی وصول کرنا چاہتے تھے۔ کالج دس روز کے لیے بند تھا۔ مگر اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے انجمن کی جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے متعدد اجلاس ہو رہے تھے۔

کالج کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ طلبائے اسلامیہ کالج کے والدین کو خطوط ارسال کیے جائیں اور ان سے کالج کے الحاق کے متعلق رائے اور مشورہ لیا جائے کہ کالج کا یونیورسٹی سے الحاق ہونا چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ سیکرٹری کالج کمیٹی نے چار سو اکتالیس خطوط طلبا کے والدین کو بھیجے۔ ان میں سے تین سو سینتالیس کا جواب وصول ہوا جن میں سے تین سو چھتیس خطوط الحاق قائم رکھنے کے حق میں تھے اور گیارہ خطوط مخالف تھے۔[۲۵] چنانچہ انجمن کی جنرل کونسل نے اپنے اجلاس میں کالج کا الحاق یونیورسٹی سے قائم رکھنے اور سرکاری امداد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے ساتھ ہی پرنسپل نے کالج کھول دیا۔

تحریک کے سرگرم رکن طلبا کو کالج کمیٹی کی منظوری سے معطل کر دیا گیا۔ ان کو کالج اور ہوسٹل سے خارج کر کے سرٹیفکیٹ جاری کر دیے گئے۔ ان کے ساتھ غیر شریفانہ برتاؤ بھی کیا گیا۔ اس واقعہ سے طلبا میں غم و غصہ کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے مظاہرہ کیا۔ کالج میں سٹرائیک ہوگئی اور طلبا نے فیصلہ کیا کہ ''جب تک ہنری مارٹن اسلامیہ کالج کے پرنسپل رہیں گے طلبہ کالج میں نہیں جائیں گے''۔[۲۶] مسلمانانِ لاہور میں اس واقعہ سے شدید ردِ عمل ہوا۔ جلسے منعقد ہوئے۔ مظاہرے ہوئے، جلوس نکالے گئے۔ ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا کہ پرنسپل کی معطلی کے متعلق دریافت کریں۔ انھوں نے فرمایا: ''یہ اندرونی معاملہ ہے۔ اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں ذاتی طور پر میں پرنسپل کی اس حرکت کو سخت ناواجب خیال کرتا ہوں''۔[۲۷] اس تحریک میں مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک گروہ ترک موالات کا حامی تھا اور دوسرا مخالف۔ انجمن میں بھی اربابِ انجمن اسی طرح منقسم تھے۔ میاں سر فضل حسین، سیکرٹری کالج کمیٹی، اور شیخ عبدالقادر مسلمانوں کے تعلیمی نقصان کے پیشِ نظر ترکِ موالات کے مخالف تھے مگر مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد ترکِ موالات کے حق میں تھے۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء بروز اتوار بوقتِ صبح ۸ بجے نواب ذوالفقار علی

خان کی زیرِ صدارت اسلامیہ کالج میں انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ جنرل کونسل کے اکیاون ممبران کے علاوہ تقریباً تین سو معززینِ شہر نے بھی اس میں شرکت کی کیونکہ اس دن کالج کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ علامہ اقبال، جنرل سیکرٹری انجمن نے گزشتہ جلسے کی رپورٹ پڑھتے ہوئے فرمایا:

"ہم نے مسلم علمائے کرام سے اس سلسلے میں رجوع کیا۔ ہمارے پاس متعدد فتوے آئے ہیں۔ پہلا فتویٰ مولوی محمود الحسن صاحب کا ہے۔ دوسرا علمائے سندھ کا ہے۔ تیسرا علمائے دہلی کا ہے۔ چوتھا سجادہ نشین صاحب پھلواروی کا ممبری کونسل کے متعلق ہے۔ فرنگی محل اور کانپور کے فتوے مجھ تک نہیں پہنچے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو عریضہ لکھا گیا تھا مگر کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ مولوی حاکم علی صاحب اور مولوی اصغر علی صاحب کے فتوے 'زمیندار' میں شائع ہوئے ہیں۔ اشرف علی صاحب تھانوی کی خانقاہ کا فتویٰ علی گڑھ کالج کے اخبار میں شائع ہوا ہے۔ میں نے ان فتووں کو غور سے پڑھا ہے۔ اگر ان پر بحث ہوئی تو میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں گا"۔[۲۸]

اس معاملے پر بہت بحث ہوئی اور بہت زیادہ غور و خوض کیا گیا۔ اس بحث کے دوران علامہ اقبال نے فرمایا:

"میں ہمیشہ ہر معاملے کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں، اور جب تک کسی امر پر پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل تباہ ہو جائے گی"۔[۲۹]

۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا۔ اس میں جنرل کونسل کے بیس ممبر شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد

بھی موجود تھے ۔ مولانا آزاد نے ترکِ موالات کے حق میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا : ''جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں ، ان سے ترکِ موالات کیا جائے''۔ شیخ عبدالقادر نے اپنی تقریر میں ترکِ موالات سے مسلمانوں کو تعلیمی زیاں کے خیال سے کہا : '' ترکِ موالات نہیں ہونی چاہیئے''۔ میاں سر فضل حسین نے اپنے خیالات مندرجہ ذیل اختتامی فقرے میں سمو دیے : '' اسلامیہ کالج اور مکولز کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے قائم رکھا جاوے''۔[۳۰]

علامہ اقبال نے انجمن کو وصول شدہ اور اردو اخبارات میں مطبوعہ فتووں کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیلات بیان کیں :

'' اس عرصے میں ہمارے پاس متعدد فتوے موصول ہو چکے ہیں جن میں علمائے ہند کا ایک فتویٰ ہے جس پر التالیس علمائے کرام کے دستخط ہیں ۔ علمائے فرنگی محل ، علمائے دہلی ، علمائے مدرسہ الٰہیات کانپور کے فتوے بھی موصول ہو چکے ہیں ۔ ان کے علاوہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کا فتویٰ بھی پہنچا ہے۔ یہ سب فتوے عدم تعاون کے حق میں ہیں ۔ میں نے پیر مہر علی صاحب گولڑہ شریف کو لکھا تھا لیکن ان کی طرف سے اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا ۔

'' عدم تعاون کے خلاف جو فتوے میرے پاس موصول ہوئے ان میں ایک فتویٰ تو حاکم علی صاحب ، پروفیسر اسلامیہ کالج ، کا ہے ۔ دوسرا فتویٰ مولانا اصغر علی روحی کا ہے جس میں انھوں نے عدم تعاون کی تو تائید کی ہے لیکن سکولوں اور کالجوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی اپنا انتظام نہ ہو جائے لڑکوں کو ان مدارس سے اٹھانا درست نہیں ''۔[۳۱]

جمعیت علمائے ہند نے دہلی میں اجلاس منعقد کیا اور عدم تعاون کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا :

"قومی اوقاف ، قومی کالجوں اور سکولوں کے ایسے کارپرداز جنھوں نے ترکِ موالات اور عدم الحاق سے انکار کر کے پابندیٔ مذہب سے انحراف کیا ہے ، مسلمانوں سے علیحدہ رہنے والے اور دشمنوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے مجرم ہیں ۔ اس لیے جب تک وہ اپنے طرزِ عمل سے تائب نہ ہوں مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت سے سروکار نہ رکھنا چاہیئے ۔ اس طرح طلبہ اپنے سرپرستوں سے اور اساتذہ اپنے سکولوں یا کالجوں سے کچھ تعلق نہ رکھیں گے "۔ ۳۲

ان متضاد فتووں اور قراردادوں کی بارش ہر سمت سے کالج پر ہو رہی تھی ۔ کالج میں مکمل ہڑتال تھی اور کالج کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا ۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر کی تقریر کے بعد مندرجہ ذیل قرارداد منظوری کے لیے جنرل کونسل میں پیش ہوئی :

(الف) گورنمنٹ سے تیس ہزار روپے سالانہ کی امداد نہ لی جائے جو کالج کو ملتی ہے اور اس قدر مالی بوجھ قوم برداشت کرے ۔

(ب) اگر طلبائے کالج کی غالب اکثریت خواہش ظاہر کرے کہ وہ موجودہ نظامِ تعلیم سے مطمئن نہیں تو کالج کا تعلق پنجاب یونیورسٹی سے توڑ لیا جائے ۔ ۳۳

اسی اثنا میں کالج کمیٹی کے متعدد اجلاس منعقد ہو چکے تھے ۔ اس کے بعد ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء بروز اتوار شام ۴ بجے صدر انجمن نواب ذوالفقار علی کی رہائش گاہ "زر افشاں" واقع کوئینز روڈ لاہور (یہ اب سر گنگا رام ٹرسٹ کی ملکیت ہے اور ہسپتال کی توسیع کے لیے وقف ہے) میں جنرل کونسل کا اجلاس ہوا ۔ تینتالیس ممبران کونسل حاضر تھے اور معززینِ شہر بھی موجود تھے ۔ اس میں کالج کمیٹی منعقدہ ۱۶ - ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء اور ۱۷ ، ۲۵ اور ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء کی قراردادوں میں سے صرف پرنسپل ہنری مارٹن اور مولوی حاکم علی صاحب کے متعلق قراردادوں پر فیصلہ ہوا ۔

ہنری مارٹن ، پرنسپل کالج ، کو ۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ء کی شام کالج کے فرائض سے سبک دوش کر دیا گیا[۳۴] اور مولوی حاکم علی کو سر دست معطل کر کے بذریعہ کالج کمیٹی جواب طلبی کی گئی ہے کہ انھیں کیوں موقوف نہ کیا جائے اور ساتھ ہی فیصلہ ہوا کہ کالج ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو کھلے ۔ دسمبر کی تعطیلات کے لیے کالج بند نہ کیا جائے صرف ۳۱ دسمبر ۱۹۲۰ء اور یکم جنوری ۱۹۲۱ء کو چھٹی ہو ۔[۳۵]

اس طرح یہ نازک ، حساس اور خطرناک دور انجام کو پہنچا اور کالج علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو دوبارہ باقاعدہ کھل گیا ۔[۳۶]

علامہ اقبال کی مجلس محفلِ درویش تھی جس میں ہر شخص بلا روک آ سکتا تھا ۔ آپ کو اس کالج سے گہری وابستگی تھی ۔ اس لیے اس کالج کے جملہ سے پروفیسر حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے ۔ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں : ڈاکٹر پروفیسر عبدالواحد شعبۂ انگریزی اور پروفیسر سید محمد علی جعفری ، ڈاکٹر سعید اللہ شعبہ نفسیات ، پروفیسر حمید احمد خاں شعبہ انگریزی ، محمد دین تاثیر (۱۹۰۲ء ۔ ۱۹۵۰ء) لکھتے ہیں :

"ایک حلقہ پروفیسروں کا تھا ۔ ان میں ڈاکٹر سعید اللہ ، پروفیسر حمید احمد خاں اور پروفیسر عبدالحمید ، تینوں اسلامیہ کالج کے تھے ۔ ان سے پہلے ڈاکٹر ملک تذیر احمد اور ڈاکٹر مظفر قریشی کی آمد و رفت تھی ، یہ بھی اسلامیہ کالج کے تھے ۔ اسلامیہ کالج کے پروفیسر حاضر باش تھے اور علامہ کو ان سے خاص اُنس تھا ۔ اسلامیہ کالج سے خاص اُنس تھا ۔"[۳۷]

اسلامیہ کالج کی لائبریری ذخیرۂ کتب و رسائل کے اعتبار سے ہمیشہ مالامال رہی ہے ۔ علامہ اقبال کو اس لائبریری سے خاص دلچسپی تھی ۔ انجمن کا چھیالیسواں سالانہ اجلاس ۲۷ ، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو

منعقد ہوا ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء کے افتتاحی جلسے کی صدارت والئی بہاول پور نواب صادق علی نے کی ۔ علامہ اقبال نے ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے اسلامیہ کالج کی لائبریری کے متعلق ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا :

"کالج کی ایک شاندار لائبریری ہے جو ہماری بے بضاعتی کے باوجود صوبے کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری ادارات کے کتب خانوں میں خاص حیثیت رکھتی ہے "۔[۳۸]

علامہ اقبال نے اپنی تعلیم کی تکمیل گورنمنٹ کالج لاہور میں کی تھی اور یورپ جانے سے قبل اور وہاں سے واپس آکر اسی کالج میں تدریس بھی کرتے رہے ۔ اس لیے بظاہر ان کا ذہنی اور جذباتی تعلق تو اس درس گاہ سے ہونا چاہیئے تھا مگر آپ مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی، مذہبی اور معاشرتی ترقی کے لیے اسلامیہ کالج کو موزوں ترین درس گاہ تصور کرتے تھے ۔ علامہ اقبال کو اس کالج سے اس قدر محبت تھی کہ اس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں کیونکہ ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے قدم قدم پر اس امر کا احساس شدید تر ہوتا جاتا ہے کہ آپ اس درس گاہ کو نہ صرف عظیم درس گاہ تصور کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کے لیے ایک روشن مینار اور مشعلِ راہ خیال کرتے تھے ۔ آپ ساری زندگی اس ادارے کے تعمیری ، تعلیمی اور انتظامی امور میں مددگار ثابت ہوتے رہے اور اس تعلیمی درس گاہ کی عظیم ترین خدمت اس حد تک کی کہ آپ نے اپنے ذاتی کتب خانہ کی سب کتابیں اس کی لائبریری کو تحفہ دے دیں ۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو وصیت نامے میں تحریر کرتے ہیں : " باقی کتب مطبوعہ انگریزی وغیرہ میری وفات کے بعد اسلامیہ کالج میں رکھ دی جائیں "۔[۳۹] چنانچہ حسبِ وصیت ان کا کتب خانہ کالج کو منتقل کر دیا گیا ۔ آپ کی وفات کے تقریباً ایک سال کے بعد کالج کے پرنسپل ایم ۔ اے غنی نے اپنی سالانہ رپورٹ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اقبال کو شان دار خراجِ عقیدت پیش کیا [۴۰]

"The Islamia College was ever dear to his heart. He extended to it his help and sympathy in unstinted measure in all times of stress and strain and remembered it even in

his last moments, when he gifted away his personal library to it. Though Iqbal is gone, he has left behind his unique poems which will continue to inspire and instruct generarations of Muslims, for aeons to come ! May his soul rest in peace !''

اس ادارے کے کتب خانے کو یہ شرف اور اعزاز حاصل ہے کہ علامہ اقبال اس سے استفادہ بھی کیا کرتے تھے ۔ جس زمانے میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم اسلامیہ کالج کی ٹریننگ کلاس (J.A.V.) میں تدریس کیا کرتے تھے ، اس دور میں اکثر علامہ اقبال ان کی وساطت سے کالج لائبریری سے مختلف موضوعات کی کتب مطالعہ کے لیے منگوایا کرتے تھے ۔ مندرجہ ذیل دو خطوط میں آپ نے عبداللہ چغتائی مرحوم کو ہدایت کی کہ مذکورہ کتب لائبریری سے حاصل کر کے ان تک پہنچا دیں ۔ آپ لکھتے ہیں :

'' ڈیر ماسٹر صاحب ! السلام علیکم

'' اگر 'ہراؤن' کی '' لٹریری ہسٹری آف پرشیا '' کالج لائبریری میں ہو تو لیتے آئیے ۔ اس جلد کی ضرورت ہے جس میں عراق کا تذکرہ ہے ۔ غالباً دوسری جلد ہے ۔

محمد اقبال'' ۴۱

ڈیر ماسٹر صاحب !

ڈانٹے کی 'ڈوائن کامیڈی' (Divine Comedy) لائبریری سے لے کر ایک دو روز کے لیے بھجوائیے اور Hell کی ضرورت نہیں ہے ۔

محمد اقبال ۴۲

میاں محمد شفیع نے اپنی کولیکشن اسلامیہ کالج کو تحفتاً دے دی ۔ چنانچہ میاں محمد شفیع لائبریری کے قیام و انصرام کے سلسلے میں ایک سب کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس کے ایک رکن علامہ اقبال بھی تھے ۔

جب یہ سب کمیٹی اپنی سفارشات مرتب کر چکی تو ان پر غور کرنے کے لیے ۴ جولائی ۱۹۳۷ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا ایک اجلاس بصدارت حاجی رحیم بخش ، ایم ۔ اے ، ریٹائرڈ سیشن جج ، منعقد ہوا اور سب کمیٹی کی سفارشات پر سوچ بچار کے بعد میاں محمد شفیع لائبریری کے انتظام اور کتابوں کے انتخاب کے لیے ایک اور کمیٹی قائم کی گئی ۔ علامہ اقبال اس کے بھی رکن منتخب ہوئے اس کے دیگر اراکین میں پروفیسر مولوی محمد شفیع ، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین ، شیخ اکبر علی ، حاجی محمد حفیظ ، شیخ محمد حسن ، شیخ عظیم اللہ ، مولوی غلام محی الدین خان اور میاں احمد سعید کے اسمائے گرامی شامل ہیں ۔

اس زمانے میں علامہ اقبال شدید علیل تھے اور اپنی عملی مصروفیات سے فارغ ہو چکے تھے مگر لائبریری سے دلچسپی کی وجہ سے ان کمیٹیوں میں ان کا نام موجود رہا ۔

علامہ اقبال کو ابتدا ہی سے اس کالج کے کتاب خانے سے گہری دلچسپی تھی ۔ آپ اس کی ترقی و فروغ کے لیے مختلف اوقات میں اعلیٰ کتب خریدنے کی تجویزیں بھی دیا کرتے تھے ۔ ۱۹۰۰ء میں آپ کی تجویز پر کالج کے پرنسپل پروفیسر مولوی حاکم علی مرحوم نے کالج کمیٹی سے تفسیر کبیر خریدنے کی اجازت چاہی جو بخوشی ۷ جون ۱۹۰۰ء کو دے دی گئی ۔[۴۳]

کالج کے اساتذہ اور طلبا علامہ اقبال کا بے حد احترام کرتے تھے ۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۶ء کو آپ نے پنجاب کونسل کے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو اس کالج کے اساتذہ اور طلبا نے ان کی انتخابی مہم میں نہایت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا ۔ کالج کے اساتذہ اور طلبا نے آپ کی حمایت میں مختلف مقامات پر جلسے اور جلوسوں میں فعال کردار ادا کیا ۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم یوں رقم طراز ہیں :

"میں ان دنوں اسلامیہ کالج لاہور ریلوے روڈ پر وہاں ٹریننگ کلاس میں پڑھاتا تھا ۔ اگرچہ اس سے پیشتر کالج کے طلبا اور اساتذہ کئی

جلسوں اور جلوسوں میں شامل ہو کر تمام کیفیت کا خود مشاہدہ کر چکے تھے مگر ابھی تک خالصتاً اسلامیہ کالج کا جلوس نہیں نکلا تھا۔ چنانچہ ان ایام میں ایک جمعہ کو جب کالج میں ہفتہ وار چھٹی تھی طے پایا کہ کل کالج کے طلبا کا ایک خاص جلوس نکلے گا۔ اس کے لیے کسی طرح امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو بھی شامل ہونے کے لیے دعوت دے دی تھی اور کالج کے ہر دو ہوسٹلوں کے طلبا کو لازماً جلوس میں شامل ہونے کے لیے تاکید کر دی گئی تھی"[۴۴]۔

یہ جلسہ موچی دروازہ کے باغ میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اس جلسے سے خطاب کیا اور ایک پرمغز اور مؤثر تقریر میں لوگوں پر زور دیا کہ علامہ اقبال کو کامیاب بنایا جائے۔ جلسے کے اختتام پر اسلامیہ کالج کے طلبا کا ایک شان دار جلوس مرتب ہو گیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا اور اندرون شہر مختلف گلی کوچوں میں چکر لگا کر ختم ہوا۔ عبداللہ چغتائی نے اس جلوس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"اتفاق سے اسلامیہ کالج کے تمام لڑکے علامہ اقبال کے اشعار لکھ کر ہمراہ لائے ہوئے تھے اور بعض ویسے ہی اپنی یاد داشت سے پڑھتے تھے مگر میں نے دیکھا کہ اسلامیہ کالج کے طالب علم خصوصیت سے مندرجہ ذیل اشعار 'جواب شکوہ' نظم کے پڑھتے تھے:

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو"[۴۵]

علامہ اقبال کے انتخاب میں دفتری کام کالج کے طلبا نے نہایت خوش اسلوبی اور خلوص سے انجام دیا تھا۔ چنانچہ نماز مغرب کے بعد

جلوس کے اختتام پر علامہ اقبال نے ، بقول عبداللہ چغتائی ، مندرجہ ذیل الفاظ میں حاضرینِ جلسہ و جلوس اور خاص کر اسلامیہ کالج کے طلبا کا شکریہ ادا فرمایا :

"معززین ، رضاکاران اور حاضرین کا ممنون و مشکور ہوں اور خاص کر دہلی دروازہ اور بیرون دہلی دروازہ کے احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں میں تمام حضرات کا شکر گذار ہوں جنھوں نے جلسہ اور جلوس میں شرکت کی ہے اور خاص کر اسلامیہ کالج کے طلبا کا جنھوں نے اس تمام جلوس اور جلسہ کو رونق بخشی ہے" [۳۶] ۔

علامہ اقبال اس انتخاب میں تقریباً تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہوئے ۔ آپ کے اعزاز میں بہت سی دعوتوں کا انتظام کیا گیا ۔ اس خوشی کے موقع پر اسلامیہ کالج کے اساتذہ اور طلبا کی طرف سے آپ کو ایک پرتکلف دعوت دی گئی ۔ عبداللہ چغتائی اس دعوت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :

"جب حضرت علامہ پنجاب لیجس لیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے تو اہل لاہور نے اس خوشی میں جلوس نکالے تھے ۔ اس موقع پر اسلامیہ کالج کی طرف سے بھی ایک شام سٹاف روم میں دعوت کا انتظام کیا گیا تھا جس میں تمام اساتذہ شامل ہوئے تھے ۔ پروفیسر سراج الدین آذر نے اس دعوت میں کالج کے طلبا کی عام انجمنوں کی طرف سے نمائندگی کی تھی ۔ یہ زمانہ عبداللہ یوسف علی کی پرنسپلی کا تھا" [۳۷] ۔

حضرت علامہ اقبال کو اس عظیم ادارے سے گہری جذباتی اور ذہنی وابستگی تھی ۔ اس لیے وہ اس کالج میں تشریف لانے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے ۔ اسلامیہ کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے ۱۵ اپریل ۱۹۲۷ء کی رات کو ایک شان دار اور پرتکلف سالانہ عشائیے کا اہتمام کیا جس میں لاہور کے علماء ، فضلا ، ادبا اور شعرا نے بطور مہمان شرکت کی ۔ انجمنِ طلبا نے قدیم نے حضرت علامہ سے بھی استدعا کی کہ

وہ اس عشائیے میں رونق افروز ہوں۔ انہوں نے ہی اس دعوت میں شرکت کی۔ اس کا ذکر کالج میگزین میں مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہے۔[۴۸]

"As announced the annual Old Boys' Dinner and meeting were held on the night of April 15, 1927. A large gathering of Old Boys was present. Among the guests were Dr. Mohammad Iqbal.

علامہ اقبال نے اس کالج کے چپے چپے کو اپنے عظیم خیالات سے نوازا ہے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ اس کی گواہ ہے کہ آپ نے بے شمار اجلاس کی صدارت کے علاوہ لاتعداد تقاریر اس کی حدود میں کیں۔ ایسی ہی ایک تقریب سعید کا ذکر عبداللہ چغتائی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

"لاہور میں ایک مرتبہ عید میلادالنبی کے موقع پر نمازِ مغرب کے بعد اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں ایک جلسے کا انتظام کیا گیا جس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی"۔[۴۹]

علی بخش[۵۰] جیسا مخلص، دیانت دار اور وفادار خادم، علامہ اقبال کو اسلامیہ کالج لاہور کی وساطت سے میسر آیا۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۵ء تک اقبال کا قیام اندرون بھاٹی دروازہ تھا۔ اس زمانے میں اسی علاقے میں مولوی محمد باقر، پروفیسر فارسی، شمس العلما مولوی محمد حسین، پروفیسر عربی مشن کالج، مولوی حاکم علی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور اور مفتی عبداللہ ٹونکی بھی مقیم تھے۔ علامہ اقبال بھاٹی دروازہ میں قیام کے دوران مختلف مدتوں کے لئے تین مختلف گھروں میں رہائش پذیر رہے۔ انگلستان جانے سے قبل آپ محلہ جلوٹیاں مکان نمبر ۵۹۷۔ بی میں، جو اس وقت لالہ رام سرن داس کی ملکیت تھا، کرایہ دار کی حیثیت سے مقیم تھے۔ آپ سے پہلے اسی مکان میں مولوی حاکم علی، پرنسپل اسلامیہ کالج، رہ چکے تھے۔ وہ اس گھر سے درگاہ حضرت ایشان[۵۱] کے حجرے میں منتقل ہو گئے تو علامہ اقبال اس گھر میں آٹھ آئے۔[۵۱]

علامہ اقبال اسلامیہ کالج کی انتظامیہ سے متعلق تھے اس کے علاوہ مولوی حاکم علی سے ان کے ذاتی مراسم بھی تھے ۔ اس لیے مولوی حاکم علی اسلامیہ کالج کی ڈاک اور ذاتی خطوط دے کر اپنے ملازم علی بخش کو علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے ۔

ایک دن علی بخش مولوی صاحب کا ایک خط لے کر علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ علی بخش کی سادگی اور محنت سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے ۔ آپ نے علی بخش کو مشورہ دیا کہ وہ ان کے پاس ملازمت کر لے ۔ علی بخش نے جواب دیا کہ وہ مولوی صاحب کو کیسے چھوڑے ۔ چنانچہ علامہ اقبال کے اصرار اور مولوی صاحب کی رضامندی سے علی بخش نے اپنے گاؤں سے ایک عزیز کو بلوا کر مولوی صاحب کے پاس نوکر کرا دیا اور خود علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔

م ۔ ش نے علی بخش اور علامہ اقبال کی پہلی ملاقاتوں اور علی بخش کی ان کے پاس ملازمت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سطریں رقم طراز ہیں :

''اس [علی بخش] نے چند دنوں اسلامیہ کالج کے اس وقت کے پرنسپل کے پاس ملازمت کی تھی لیکن جب شیخ محمد اقبال چند سرسری ملاقاتوں میں علی بخش کی سادگی اور دیانت داری سے متاثر ہوئے تو انھوں نے پرنسپل صاحب سے اجازت لے کر علی بخش کو اپنے پاس بلا لیا''[۵۲] ۔

زبان اور ادبیات اردو کے فروغ کے لیے اسلامیہ کالج میں اکتوبر ۱۹۳۲ء میں ''بزمِ فروغِ اردو'' قائم کی گئی ۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے ۔ جب وہ انگلستان چلے گئے تو ڈاکٹر سعید اللہ، صدر شعبہ نفسیات ، اس بزم کے صدر بنے ۔ اس بزم کے زیرِ اہتمام ہونے والے جلسوں میں علمی اور ادبی مضامین پڑھے جاتے تھے ۔ ۱۹۳۳ء میں ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ۔ علامہ اقبال نے جب ان مقالات کی کتابی شکل ملاحظہ کی تو آپ نے بزم کی اس کوشش کو بہت سراہا ۔ اس زمانے میں کالج کے پرنسپل ڈاکٹر برکت علی قریشی تھے ۔

انھوں نے اپنی سالانہ رپورٹ تقسیمِ انعامات میں اس کا ذکر کیا ہے ۔[۵۳]

"This year the Bazm started its work by publishing in book from the papers which had been read in its meetings of the previous year. On this work very high tribute was paid to the Bazm by such eminent personalities as Sir Abdul Qadir, Dr. Sir Mohammad Iqbal, Sir Ross Masud".

علامہ اقبال کی وفات پر برصغیر کے طول و عرض میں تعزیتی جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا ۔ ملک کے تعلیمی اداروں کے ادبی مجلات نے "اقبال نمبر" نکالے ۔ اسلامیہ کالج کے ادبی مجلے "کریسنٹ" کا اقبال نمبر اکتوبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا ۔ یہ جریدہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل تھا جس میں کالج کے طلبا و اساتذہ کے علاوہ ملک کے مشہور ادبا و شعرا کے مضامین بھی شامل تھے ۔ پروفیسر قاضی ظہیر الدین احمد نگرانِ مجلہ تھے اور محمد عبداللہ بٹ اس کے مدیرِ اعلیٰ تھے ۔

علامہ اقبال کی ایک زمانے سے یہ آرزو تھی کہ اسلامیہ کالج میں ایک اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے جو مسلم ثقافت اور اسلام پر تحقیق و تالیف کا امین ہو مگر ان کی زندگی میں یہ کام نہ ہو سکا ۔ چنانچہ ان کی وفات پر انجمن کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا ۔ اس جلسے کی صدارت نواب نثار علی خان نے کی ۔ ۲۵ اپریل ۱۹۳۸ء چھ بجے شام انجمن کا صدر دفتر ممبران جنرل کونسل سے بھرا ہوا تھا ۔ اس اجلاس میں تعزیتی قرارداد کے علاوہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا فیصلہ بھی کیا گیا ۔ اس ادارے کی ایک لائبریری بھی قائم کی گئی مگر بوجوہ یہ انسٹی ٹیوٹ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا" ۔ [۵۴]

۱۹۵۵ء میں انجمن حمایت اسلام نے ایک منصوبہ تیار کیا کہ برصغیر میں ملت اسلامیہ کے عظیم مفکر کے فلسفے اور شاعری پر تحقیق و تالیف کرنے کے لیے ذہین طلبا کو وظائف دیے جائیں ۔ ان وظائف کا نام "اقبال

سکالر شپ" اور "اقبال فیلوشپ" منتخب کیا گیا ۔ ان کے اجرا کے کوائف اور تشکیلِ قواعد پر مفصل بحث اور غور و خوض ہوتا رہا ۔ ۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء بروز بدھ بوقت ساڑھے تین بجے خلیفہ شجاع الدین کی زیرِ صدارت طے کیا گیا کہ "اقبال سکالر شپ" کی مدت میعاد دو سال اور وظیفے ۱۵۰ روپے ماہوار اور "اقبال فیلوشپ" کی میعاد تین سال اور وضیفے کی رقم ۳۰۰ روپے ماہوار ہوگی ۔ "اقبال سکالر شپ" اور "اقبال فیلوشپ" کے لیے مندرجہ ذیل قواعد و ضوابط طے کیے گئے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بوجوہ یہ سلسلہ چل نہ سکا اور کاغذات ہی تک محدود رہا ۔[۵۵]

IQBAL SCHOLARSHIPS

1. Three Scholarships of Rs. 150 per month each will be awarded to those students of the Islamia College Lahore, who have passed their B.A. Examination in first and second class with Arabic and Philosophy or Arabic and Political Science as their subjects.

2. These Scholarships will be available for two calendar years (*i.e.* 24 months) but on satisfactory result of the M.A. Examination in Arabic, Philosophy or Political Science, they are likely to be followed up by fellowships of Rs. 300.00 per month each for a period which might be extended up to three years.

3. Each Scholar shall undertake :

   (*a*) to reside in a College hostel :

   (*b*) to remain in intimate contact with the students of the hostel and associate himself with administrative staff in the maintenance of discipline :

   (*c*) if required by the Principal, to correct student's written work for not more than six hours a week ;

(*d*) not to leave station without obtaining leave from the Principal ;

(*e*) to maintain always a high moral character ;

(*f*) not to enter active politics.

(*g*) not to appear or prepare for any competitive examination.

Failure in complying with any of the provisions in clause (3) shall make a scholar liable to forfeit his scholarship and refund the entire amount received till then.

IQBAL FELLOSHIPS

1. Three Scholarships of Rs, 300 per month each will be awarded to students of the Islamia College, Lahore, selected out of those who have passed their M.A. Examination in Arabic, Philosophy or Political Science obtaining a first or a second class.

2. These Fellowships will be available in the first instance for one calendar year (*i.e.* a year of 12 months) and will be renewable for another two years on a satisfactory report about their work.

3. Each Fellow shall undertake :

   (*a*) to write a dissertation on a subject approved by the Principal on the recommendation of the Head of the Department concerned, a dissertation which may in due course be submitted to the University for the award of a Research Degree ;

   (*b*) to reside in a College hostel ;

(*c*) to remain in intimate contact with the students of the hostel and associate himself with the administrative staff in the maintenance of discipline ;

(*d*) to deliver for College classes lectures not exceeding six hours a week and for a period not exceeding one month in academic year, if required to do ;

(*e*) to correct students' written work for not more than six hours a week, if required to do so ;

(*f*) to maintain always a high moral character ;

(*g*) not to leave station without obtaining leave from the Principal ;

(*h*) not to take part in active politics ;

(*i*) not to appear or prepare for any competitive examination ;

(*j*) not to join service during the whole period of Fellowship.

Failure in complying with any of the provisions in sub-sections (a) to (f) or contravention of the provisions ; (g) to (j) of clause (3) shall entail the forfeiture of the Fellowship, and refund of the entire amount received till then.

علامہ اقبال اس ادارے کو علم و حکمت کا گہوارہ سمجھتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامیہ کالج اس دور میں بھی طوسی ، رازی ، غزالی ، ظہیر فاریابی اور بو علی سینا جیسی جلیل القدر شخصیات کو پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء کو انھوں نے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں دو بند پر مشتمل ایک طویل نظم پڑھی ۔ اس کا عنوان "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب سے" تھا ۔ یہ نظم اس زمانے میں بہت مشہور ہوئی مگر "کلیاتِ اقبال" میں شامل نہیں ہے ۔ اس نظم کے چہارم بند میں اسلامیہ کالج اہل پنجاب سے مخاطب ہو کر مندرجہ ذیل

اشعار کہتا ہے :

طوسی و رازی و سینا و غزالی و ظہیر
آہ وہ دلکش مرقع بھی دکھا سکتا ہوں میں

آئیں اڑ اڑ کے پتنگے مصر و روم و شام سے
شمع اک پنجاب میں ایسی جلا سکتا ہوں میں

آزما کر تم ذرا دیکھو مرے اعجاز کو
ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ دکھا سکتا ہوں میں

گوش بر آواز تھا مغرب کبھی جس کے لیے
وہ صدا پھر اس زمانے کو سنا سکتا ہوں میں

ناز تھا جس پر کبھی غرناطہ و بغداد کو
اور وہی محفل زمانے کو دکھا سکتا ہوں میں[۵۶]

علامہ اقبال کی وفات پر ہندوستان کے بے شمار شعرا نے ان کے مرثیے کہے اور اپنے قطعوں میں تاریخ وفات بھی نکالی ۔ اسلامیہ کالج کے پروفیسر خواجہ دل محمد (۱۸۸۴ء تا ۲۷ مئی ۱۹۶۱ء) صدر شعبہ ریاضی ، نے بھی مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہی :

کون لائے گا اب پیام سروش
اے دل ! اقبال ہو گیا خاموش

شمع خاموش سالِ ہجری ہے

۵۳۵۷

عیسوی شمع شاعری خاموش[۵۷]

۱۹۳۸

حواشی

۱ - قلمی روداد جنرل کونسل، ۶ مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷ اگست ۱۹۱۲ء -

۲ - ایضاً -

۳ - ایضاً -

۴ - ایضاً -

۵ - ایضاً ، ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء -

۶ - ایضاً ، ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء -

۷ - ایضاً ،

۸ - روداد چھیالیسواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام، ۲۷ - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء ، ص ۲ - ۷ -

۹ - رفیق افضل ، " گفتار اقبال" ، ص ۴ -

۱۰ - " علامہ اقبال کا جنوبی ہند کا سفر " (متعلقات خطبات اقبال) ، ص ۱۷ -

۱۱ - محمد عبداللہ چغتائی ، " اقبال کی صحبت میں" ، ص ۳۶۴ -

۱۲ - روزنامہ "زمیندار" ، ۶ مارچ ۱۹۲۷ء -

۱۳ - The Crescent ، سال نامہ : "ہماری سوسائٹیاں" ، ص ۲ - ۴ -

۱۴ - روداد چھیالیسواں سالانہ جلسہ ، ۲۷ - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء ، ص ۲ - ۷ -

۱۵ - قلمی روداد مجلس منتظمہ ، ۴ مئی ۱۸۹۶ء تا ۱۶ جون ۱۹۰۰ء -

۱۶ ایضاً ، ۲۴ جون ۱۹۰۰ء تا ۱۷ مئی ۱۹۰۲ء -

۱۷ - رفیع الدین ہاشمی، ''حیات لامہ اقبال''، ''نقوش''، اقبال نمبر ۱۲۱ (ستمبر ۱۹۷۷ء)، ص ۱۱ -

۱۸ - شیخ عظیم اللہ، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، ''میرا اقبال''۔ ''کریسنٹ''، اقبال نمبر، اکتوبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۰-۱۱ -
شیخ عظیم اللہ اسلامیہ کالج میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ فارغ التحصیل ہوکر اسی انجمن کے آنریری جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ انھیں انجمن اور کالج کے انتظامی امور میں علامہ کا رفیق کار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

۱۹ - خلیفہ شجاع الدین، ''علامہ اقبال انجمن کے جلسوں میں''، ص ۱۵ (منقول از ڈاکٹر وحید قریشی، ''کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ'')۔

۲۰ - یکم نومبر ۱۹۱۸ء کو چیچک کی بیماری سے فوت ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں ایڈنبرا سے ہندوستان آئے اور کالج میں شعبۂ فلسفہ سے منسلک ہوئے۔

۲۱ - شیخ عطا اللہ، مرتب، ''اقبال نامہ''، ص ۳۷، جلد دوم۔

۲۲ - پرنسپل کا افتتاحی خطاب، کریسنٹ، نومبر۔ دسمبر ۱۹۳۹ء، ص ۸ -

۲۳ - کالج گزٹ، کریسنٹ، نومبر۔ دسمبر ۱۹۳۹ء، ص ۲۶ -

۲۴ - ''پیسہ اخبار''، ۲ نومبر ۱۹۲۰ء، ص ۳، کالم ۲ -

۲۵ - قلمی روداد جنرل کونسل (اجلاس ہائے انجمن)، ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء -

۲۶ - ''پیسہ اخبار''، ۱۰ نومبر، ص ۵، کالم ۴ - ۵ -

۲۷ - ایضاً، ۲۰ نومبر، ص ۵، کالم ۴ -

۲۸ - قلمی روداد جنرل کونسل (اجلاس ہائے انجمن)، ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء -

۲۹ - ''زمیندار''، ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء، ص ۴، ک ۱ -

۳۰ - ''پیسہ اخبار''، ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳ -

۳۱ - روزنامہ ''زمیندار''، ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء، ص ۳، ک ۱ -

۳۲ - روزنامہ ''پیسہ اخبار''، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء، ص ۳ -

۳۳ - ایضاً، ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، ک ۳ -

۳۴ - ایضاً، ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، ک ۳ -

۳۵ - قلمی روداد جنرل کونسل (اجلاس ہائے انجمن)، ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء -

۳۶ - ''پیسہ اخبار'' ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، ک ۳ -

۳۷ - ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ''اقبال کا فکر و فن''، ص ۱۲۲ - ۱۲۳ -

۳۸ - روداد چھیالیسواں سالانہ جلسہ، ۲۷ - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۲ - ۷ -

۳۹ - فقیر سید وحید الدین، ''روزگارِ فقیر'' (ایڈیشن ۱۹۶۵ء)، ۲ - ۵۸ -

۴۰ - ''کریسنٹ''، جون ۱۹۳۹ء، ص ۵، سالانہ جلسہ تقسیم انعامات اور پرنسپل کی رپورٹ -

۴۱ - شیخ عطا اللہ، مرتب، اقبال نامہ، خط نمبر ۱۴۲، ۲/۲۴۳ -

۴۲ - ایضاً، خط نمبر ۱۵۲، ۲/۲۴۹ -

۴۳ - رجسٹر رودادہای مینیجنگ کمیٹی انجمن حمایت اسلام، ۲۴ جون ۱۹۰۰ء، ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء -

۴۴ - عبداللہ چغتائی، کتاب مذکور، ص ۳۶۹ -

۴۵ - ایضاً، ص ۳۷۰ -

۴۶ - ایضاً ، ص ۴۷۱ ۔

۴۷ - ایضاً ، ص ۴۶۴ ۔

۴۸ - ''کریسنٹ'' ، مارچ - اپریل ۱۹۲۷ء ، ص ۳۴ ۔

۴۹ - عبداللہ چغتائی ، کتاب مذکور ، ص ۲۸۰ ۔

۵۰ - علی بخش موضع اٹل گڑھ ضلع ہوشیار پور کا رہنے والا تھا ۔ گاؤں کا سیدھا سادہ غریب کسان تھا ۔ شادی شدہ تھا مگر بیوی فوت ہو چکی تھی ایک بیوہ ماں تھی اس کی خدمت و مدد کے جذبے سے سرشار اور بے کاری سے تنگ آ کر گاؤں سے لاہور اپنے ایک عزیز کے پاس آیا ۔ ملازمت تلاش کی اور چند دن بعد مولوی حاکم علی (متوفی ۱۹۲۵ء) پرنسپل اسلامیہ کالج کے پاس ملازم ہو گیا اور ان کے پاس سے پھر علامہ اقبال کے ہاں چلا گیا اور ساری زندگی وہیں رہا ، اس نابغۂ روزگار کی خدمت سے اپنی خوش نصیبی کو سنوارا اور ۱۹۶۲ء میں جاں بحق ہوا ۔

۵۱ - عبداللہ چغتائی ، کتاب مذکور ، '' لاہور میں اقبال کی قیام گاہیں ، ص ۳۹ ۔

۵۲ - م ۔ ش (محمد شفیع) کا کالم ، روزنامہ ''مشرق'' ، ۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء ، ص ۲ ، ک ۳ ۔

۵۳ - ''کریسنٹ'' ، سال نامہ ۱۹۲۳ء ، ص ۴۴ ۔

۵۴ - قلمی روداد (جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام) ، یکم مئی ۱۹۳۷ء تا ا گست ۱۹۳۹ء ۔

۵۵ - رجسٹر رودادہائے اجلاس جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام ، ۳۰ مارچ ۱۹۵۴ء تا ۱۶ جنوری ۱۹۵۵ ، ص ۲۷۴ - ۲۷۶ ۔

۵۶ - سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی ، '' باقیاتِ اقبال '' ، ص ۹ ا - ۱۲۰ ۔

۵۷ - ''کریسنٹ'' ، اقبال نمبر ، ا کتوبر ۱۹۳۸ء ، ص ۸۴ ۔

علامہ اقبال کا ذاتی کتب خانہ — تفصیلی جائزہ

انجمن حمایت اسلام لاہور نے مسلمانانِ برصغیر کی بے مثال تعلیمی ، تہذیبی اور معاشرتی خدمات انجام دی ہیں ۔ پاک و ہند کا یہ واحد خوش نصیب تعلیمی اور سماجی ادارہ ہے ۔ جس کو علامہ اقبال نے اپنی عملی اور تدریسی خدمات سے نوازا ۔ اگرچہ وہ پنجاب ہراونشل لیگ ، پنجاب ایجوکیشنل کانفرنس ، انجمن اسلامیہ پنجاب اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے ۔ حکیم الامت ۱۸۹۹ء سے ۱۹۳۷ء تک انجمن حمایت اسلام لاہور کی مختلف اعزازی خدمات انجام دیتے رہے ۔ وہ انجمن کے رکن انتظامیہ، رکن جنرل کونسل، سیکرٹری کالج کمیٹی،سیکرٹری جنرل انجمن اور صدر انجمن حمایت اسلام بھی رہے ۔ شاعر مشرق پہلی بار ۱۲ نومبر ۱۸۹۹ء کو انجمن کی مجلس التظامیہ کے رکن منتخب ہوئے اور ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء کو آخری بار مذکورہ انجمن کے صدر چنے گئے ۔ یعنی ۳۸ سال تک انجمن سے عملی طور پر منسلک رہ کر اسلامیان پاک و ہند کی خدمات انجام دیں ۔

ان التظامی خدمات کے علاوہ انھوں نے انجمن کے تدریسی ادارے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ ، لاہور میں ۱۹۰۱ء میں کچھ عرصہ کے لیے انگریزی زبان و ادبیات کی تدریسی بھی کی ۔ ۱۹۱۸ء میں اسی کالج میں صرف ۲ ماہ کےلیے شعبہ فلسفہ میں ایم ۔ اے کے طلبا کو پڑھایا ۔ اسلامیہ کالج کے لیے علامہ اقبال کے جذبات ناقابل فراموش ہیں ۔ یہاں تک کہ جب علامہ کو اپنی طویل بیماری کے سبب اپنے خالق حقیقی سے وصال کا احساس شدت اختیار کر گیا تو انھوں نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ایک وصیت نامہ تحریر کیا ۔ اس وصیت نامہ کی رو سے انھوں نے اپنی ذاتی

لائبریری کی تمام مطبوعہ انگریزی کتب انجمن حمایت اسلام کے تدریسی ادارے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ ، لاہور کی لائبریری کو بطور تحفہ دینے کا فیصلہ کیا ۔

وہ لکھتے ہیں :

" باقی کتب مطبوعہ انگریزی وغیرہ میری وفات کے بعد اسلامیہ کالج ، لاہور کی لائبریری میں رکھ دی جائیں[1]" ۔

ان کی وفات کے بعد ۱۹۳۹ء میں ان کی ذاتی لائبریری کو حسب وصیت اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے کتاب خانہ کے حوالے کر دیا گیا اور علم و دانش کے اس ذخیرۂ کتب کا لائبریری میں ایک الگ سیکشن قائم کرکے اس کا نام 'اقبال کو لیکشن' (ذخیرہ اقبال) Iqbal Collection رکھ دیا گیا ۔ یہ خزانہ اس وقت سے اقبال کو لیکشن کے نام سے موسوم چلا آ رہا ہے ۔ لائبریری میں اس ذخیرہ کتب کو 'Reference Books' "حوالہ کی کتب" کی حیثیت حاصل ہے ۔ ان کو لائبریری سے باہر نہیں لے جایا جا سکتا ۔ متعلقہ افسر کی اجازت سے لائبریری میں بیٹھ کر ان کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔

یقیناً یہ مناسب ہوگا کہ اسلامیہ کالج سول لائنز میں اس ذخیرہ کتب کی موجودگی کی اجمالی تاریخ بیان کر دی جائے کیونکہ علامہ اقبال کی وصیت کے مطابق یہ کتب اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی لائبریری کو عطیہ دی گئی تھیں ۔

اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کا مختصر تاریخی نقشہ بھی بتا دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا ۔ اس کالج کی وسیع و عریض عمارت نے کئی انقلاب دیکھے ہیں ۔ تقسیم برصغیر سے قبل اس عمارت میں دیانند اینگلو ویدک کالج (قائم شدہ یکم جون ۱۸۸۶ء) آباد تھا ۔ تخلیق پاکستان کے وقت کچھ

---

۱ ۔ روزگار فقیر جلد دوم ، ص ۵۸ ۔

عرصہ کے لیے اس عمارت میں مہاجرین نے پناہ لی ۔ پھر یہ عمارت تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے قبضہ و تصرف میں رہی ۔ جب تعلیم الاسلام کالج لاہور سے ربوہ منتقل ہوا تو اس میں ایل ۔ ایس ۔ ایم ۔ ایف کالج آموجود ہوا ۔ ڈاکٹر صاحبان نے D.A.V کالج کی عالی شان لائبریری کو اپنی پیشہ ورانہ تجربہ گاہ بنا لیا ۔ ۱۹۵۶ء میں یہ کالج بہاولپور منتقل ہوا ۔ ۱۹۵۵ء میں اس عمارت کا ایک حصہ انجمن حمایت اسلام کے نام الاٹ ہوا اور انجمن نے اس میں اسلامیہ کالج نمبر ۲ بنام اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور قائم کر دیا ۔ اس وقت اس عمارت کے بیش تر حصے پنجاب پولیس ، ون یونٹ کے عملے اور مہاجرین کے قبضے میں تھے جو بڑی مشکلوں سے وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ خالی ہو کر اسلامیہ کالج کا حصہ بنتے رہے ۔ اب بھی اس کے ہوسٹل کا بہت سا حصہ مہاجرین کے قبضہ و تصرف میں ہے یہ عمارت محکمہ اوقاف کی ملکیت تھی ۔ اب یہ محکمہ ان عمارات کو محکمہ تعلیم کے حوالے کرنے کے انتظامات کر رہا ہے ۔

۱۹۵۵ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے ایف ۔ اے اور ایم ۔ اے آرٹس کی تمام جماعتیں اسلامیہ کالج سول لائنز میں منتقل کر دی گئیں ۔ سائنس کی تمام انٹر اور ڈگری کلاسز بدستور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ پر ہوتی رہیں ۔ کیونکہ اسلامیہ کالج سول لائنز میں نہ تو سائنس لیبارٹریز موجود تھیں اور نہ ہی سائنس کی معیاری کتابیں تھیں ۔ ۳۰ اپریل ۱۹۵۸ء تک دونوں کالجوں کو ایک ہی تصور کیا جاتا تھا بلکہ یہ ایک کالج تھا اور ایک ہی پرنسپل کرنل شیخ محمد اسلم مرحوم کے ماتحت تعلیمی خدمات انجام دیتا تھا ۔ اس وقت ان دونوں کالجوں کی لائبریری بھی ایک تھی جو اسلامیہ کالج ریلوے روڈ پر موجود تھی ۔ اس لیے جون ۱۹۵۸ء تک اقبال کولیکشن بھی اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی لائبریری کا حصہ تھا ۔

مئی ۱۹۵۸ء میں انجمن حمایت اسلام نے فیصلہ کیا کہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اسلامیہ کالج سول لائنز کو دو جداگانہ کالجوں کی حیثیت دے دی جائے ۔ اسلامیہ کالج سول لائنز میں آرٹس اور سائنس کی ڈگری

اور ایم ۔ اے ، ایم ۔ ایس ۔ سی کی پوسٹ گریجویٹ کی جماعتیں ہوں اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ پر ایف اے اور ایف ۔ ایس ۔ سی کی جماعتوں کو تعلیم دی جائے ۔ اس فیصلہ کے ساتھ ہی یکم مئی ۱۹۵۸ء کو پروفیسر حمید احمد خان مرحوم (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۴ء) اسلامیہ کالج سول لائنز کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے پرنسپل کرنل شیخ محمد اسلم ہی رہے ۔

اسلامیہ کالج سول لائنز کو ڈگری اور پوسٹ گریجویٹ جماعتوں کے معیار کے مطابق بنانے کے لیے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے بہت سا فرنیچر اور لیبارٹریز کا سازو سامان اس کالج کو منتقل کیا گیا تاکہ تعلیم میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو اور طلبا کا ہرج نہ ہو ۔

اس وقت اسلامیہ کالج سول لائنز کی لائبریری ذخیرہ کتب کے لحاظ سے معمولی مگر عمارت کے اعتبار سے عالی شان تھی ۔ اس لائبریری کو ڈگری اور ایم ۔ اے ، ایم ۔ ایس ۔ سی کلاسز کے طلبا اور اساتذہ کے معیار کے مطابق بنانے کے لیے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی لائبریری کی لاتعداد کتب میں سے تقریباً اکیس ہزار کتب اس نئے کالج کو دی گئیں ۔ بعد میں پروفیسر حمید احمد خان مرحوم اور پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ مرحوم (یکم جون ۱۸۹۰ء - ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۳ء) صدر شعبہ نفسیات کی کوششوں سے اقبال کو لیکشن کو بھی اسلامیہ کالج سول لائنز کی لائبریری میں منتقل کر دیا گیا ۔ اب یہ گراں قدر خزانہ اسلامیہ کالج سول لائنز کی لائبریری میں موجود ہے ۔ یہ مختصر تاریخی وضاحت ضروری تھی کہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں موجود اقبال کو لیکشن اسلامیہ کالج سول لائنز کی زینت کیونکر بنا ۔

اقبال کو لیکشن ۳۳۴ نادر و نایاب کتابوں پر مشتمل ہے ۔ اس میں فلسفہ ، ہیگل ازم ، الٰہیات ، نفسیات ، دین اسلام ، مختلف مذاہب عالم سیاسیات ، اقتصادیات ، قانون ، تصوف ، تاریخ تصوف ، تعلیم ، لغت نظریہ اضافیت ، آئن سٹائن ، ڈارون ازم ، طبیعات ، کیمیا ، جنرل سائنس ، مختلف زبانوں کی ادبیات کے انگریزی تراجم ، زبان و ادبیات انگریزی ،

جغرافیہ ، سفر نامہ اور تاریخ اقوام عالم کی کتابیں شامل ہیں ۔ فلسفہ اور تاریخ فلسفہ کی مختلف کتابوں میں دنیا کے ہر قدیم و جدید ازم کی تاریخ اور تقابلی جائزے موجود ہیں ۔

اقبال کولیکشن کی ورق گردانی سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کتابوں کا سرسری مطالعہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے پسندیدہ علوم کو اپنے اندر جذب کرتے تھے ۔ ان کے ایام طالب علمی اور باقی حیات فانی میں مطالعہ کی گئیں کتب کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایام طالب علمی سے ہی کتابوں پر حواشی غیر ملکی زبانوں مثلاً جرمن ، فرانسیسی اور انگریزی الفاظ و محاورات کے معنی اور حوالے لکھنے کے عادی تھے ۔ اس ذخیرہ کی بہت سی کتابوں پر انھوں نے تقریباً ہر صفحہ کے حواشی پر Cross Reference, Reference، قرآن کی آیات، اردو اشعار کے مصرعوں اور دنیا کے مختلف ادبی شاہکار کتب کے حوالے درج کیے ہیں ۔ بعض کتابوں پر مختلف زبانوں کے شعرا ، ادبا اور حکما کی تاریخ پیدائش و وفات اور آبائی وطن کے حوالے موجود ہیں ۔

شاعر مشرق اکثر سیاہ پنسل سے حواشی تحریر کیا کرتے تھے ۔ کبھی کبھی نیلی ، سرخ پنسل اور پین سے بھی حواشی قلم بند کیا کرتے تھے ۔ ان کا Hand Writing باریک اور خوبصورت ہے ۔ آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے ۔ سیاہ پنسل سے تحریر شدہ حواشی کسی قدر مدھم ہو چکے ہیں مگر پڑھے جا سکتے ہیں ۔ وقت نے نیلے پن سے لکھی ہوئی تحریروں کو سیاہی مائل کر دیا ہے مگر وہ صاف اور روشن ہیں ۔ ان کو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے ۔ سیاہ روشنائی سے لکھی ہوئی تحریریں زیادہ واضح ہیں ۔

اس ذخیرہ کتب کی بہت سی کتابوں کے ٹائیٹل پر علامہ اقبال نے اپنے دستخط ثبت کیے ہیں ۔ بعض کتابوں پر دستخط کرنے کے علاوہ سال، ماہ ، تاریخ اور شہر کا نام بھی لکھ دیا ہے ۔ لاہور گورنمنٹ کالج میں ایام طالب علمی کی کتب پر کالج کا نام اور کلاس کا سال بھی تحریر کیا ہے ۔ جہاں کہیں انھوں نے اپنے دستخط کیے ہیں وہ انگریزی رسم الخط میں

ہیں ۔ ان کے دستخط بہت سادہ ہیں ۔ وہ صرف محمد اقبال بطور دستخط ثبت کرتے تھے ۔ لفظ " محمد " کے ہجے مکمل حروف سے تحریر کرتے تھے ۔ کسی کتاب پر بھی انھوں نے لفظ " محمد " کے ہجوں کو مخفف نہیں لکھا ۔ چند کتابوں پر دستخطوں کے ساتھ شیخ بھی تحریر کیا مگر لفظ " شیخ " پورے ہجوں سے نہیں لکھا ۔ بلکہ ایس "S" یا ایس ایچ "Sh" لکھا ہے ۔

اقبال کولیکشن کی کتابوں میں سے صرف درج ذیل ایک کتاب پر انھوں نے اپنے دستخطوں کے ساتھ "اقبال" بطور تخلص لکھا ہے :

"The Nicomachean Ethics of Aristotle"

Translated by F.H. Peters, M.A. 1895.

اس کتاب کے ہاف ٹائیٹل Half Title پر انگریزی میں اس طرح لکھا ہوا ہے :

S. Mohammad Iqbal

"Iqbal"

M.A. Class -1897.

اس کتاب پر اقبال بطور تخلص اور تاریخ بھی موجود ہے ۔ اس طرح واحد کتاب ہے جس پر "اقبال" بطور تخلص انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور یہ ان کے گورنمنٹ کالج میں طالب علمی کے زمانہ کی کتاب ہے ۔ اس زمانہ میں وہ ایم ۔ اے فلسفہ کی تیاری کر رہے تھے ۔ اس کتاب کے ہر صفحہ پر انہوں نے روشنائی سے حواشی تحریر کیے ہیں ۔ زمانہ طالب علمی میں علامہ اقبال اپنی Studies کے بارے میں بہت ہی سنجیدہ ہوں گے کیونکہ مذکورہ کتاب ۳۵۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔ علامہ اقبال نے کتاب کے آخر میں موجود انڈکس پر ان صفحات کی تعداد کو ۲۶ دنوں پر تقسیم کیا ہوا ہے ۔ حاصل تقسیم ۱۳ صفحے برآمد ہوتے ہیں ۔ یعنی وہ روزانہ ۱۳ صفحات کا مطالعہ کر کے اس کتاب کو ۲۶ دنوں میں ختم

کر سکتے ہیں ۔ تقسیم کے سوال کی شکل اس طرح ہے ۔ 13) 354 (26 اس

26

94

78

16

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ باقاعدگی سے اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوں گے۔ یہ کتاب اس زمانے میں ایم اے فلسفہ کے نصاب میں شامل تھی ۔

اردو زبان و ادبیات کے ادبا اور شعرا علامہ اقبال کی قیمتی رائے معلوم کرنے کے لیے اپنی تصانیف ان کی خدمت میں ارسال کیا کرتے تھے ۔ اسی طرح مختلف اردو رسائل کے مدیر تازہ شمارے ان کی نذر کیا کرتے تھے ۔ ان کتب اور رسائل کا ذکر انھوں نے خود ان خطوط میں کیا ہے جو انھوں نے ان ادبا اور شعرا کو شکریے کے طور پر لکھے تھے ۔ بعض احباب بھی اردو زبان و ادبیات کی کتب شاعر مشرق کو تحفتاً ارسال کیا کرتے تھے مگر اقبال کولیکشن میں صرف تین کتابیں اردو زبان میں ہیں ۔ جن میں دو ترجمے ہیں ۔ ایک طبع زاد ہے افلاطون کی ریاست کو ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے اردو کا روپ دیا اور علامہ اقبال کو مترجم نے کتاب نذر کی ۔ ہیل جوزٹف کی کتاب عربوں کا تمدن سید نذیر نیازی مرحوم نے اردو میں ترجمہ کی اور تیسری نجم الغنی کی بحرالفصاحت ہے ۔ ان کے کولیکشن میں دو کتابیں فارسی اور دو عربی زبان میں ہیں ۔ علامہ اقبال نے وصیت نامہ میں صرف انگریزی مطبوعہ کتب تحفہ دینے کے بارے میں تحریر کیا تھا ۔ بہرحال یہ کتب بھی اقبال کولیکشن میں شامل ہیں ۔

اس گنج گرانمایہ میں دلیا کے مختلف چھوٹے بڑے ناشرین کی طبع کی ہوئی کتابیں موجود ہیں مگر برطانیہ کے معروف ناشر Macmillan کی شائع کردہ کتابوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے ۔ یہ تعداد میں ۶۱ اکسٹھ ہیں ۔

اقبال کولیکشن میں موجود قدیم ترین مطبوعہ کتاب ۱۸۵۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ۔ یہ ولیم کوپر کی 'The Task' ہے ۔ علامہ کی تاریخ ولادت ۱۸۷۷ء ہے ۔ گویا یہ کتاب ان کی تاریخ پیدائش سے ۲۲ سال قبل چھپ چکی تھی ۔ اسی طرح اس ذخیرہ کی "Latest" ۔ جدید ترین مطبوعہ کتاب مارچ ۱۹۳۸ء میں طبع ہوئی ۔ اس کا نام :

Sufism, its saints and Shrines

علامہ اقبال کی تاریخ وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء ہے یعنی یہ کتاب ان کی وفات سے صرف ایک ماہ قبل منظر عام پر آئی ۔

۱۸۵۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ۸۳ سال کا عرصہ ہوتا ہے ۔ اقبال کولیکشن میں اس مدت میں مختلف سنین کی مطبوعہ کتب کی تعداد مختلف ہے مگر ۱۹۲۰ء میں شائع ہونے والی کتابیں تعداد میں ۱۸ ہیں جو سب سے زیادہ ہیں، جب کہ ۱۸۶۲ء، ۱۸۷۷ء، ۱۸۸۷ء، ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۹ء میں چھپنے والی کتب تعداد میں صرف ایک ایک ہیں ۔ یہ پانچ سالہ عرصہ اپنے دامن میں لاتعداد کتابوں کو لایا ہوگا مگر اتفاق ہے کہ اس ذخیرہ میں ہر سن کی صرف ایک ایک کتاب شامل ہو سکی ۔ اسی طرح ۱۸۵۶ء سے ۱۸۵۸ ، ۱۸۶۱ ، ۱۸۶۳ سے ۱۸۷۴ ، ۱۸۷۶ ، ۱۸۷۸ سے ۱۸۸۰ء بیس سالوں میں بے شمار کتابیں طبع ہوئی ہوں گی مگر اس ذخیرہ میں ان برسوں کی مطبوعہ ایک کتاب بھی موجود نہیں ۔

اقبال کولیکشن کو زمانے کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ پہلے حصے میں وہ کتابیں ہیں جو انھوں نے گورنمنٹ کالج اور لاہور لاء سکول میں بی ۔ اے ۹۷ - ۱۸۹۵ء اور ایم ۔ اے ۱۸۹۹ - ۱۸۹۷ء میں اپنے ایام طالب علمی میں مطالعہ کے لیے حاصل کیں اور وہ نصاب میں شامل تھیں ۔ اسی حصہ میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو اسی دور میں اضافی مطالعہ کے لیے خریدی گئیں اگرچہ وہ نصابی کتب نہیں تھیں ۔ یہ مختلف مضامین کی کتابیں ہیں ۔

ذخیرۂ اقبال کی زیادہ کتابیں تو علامہ اقبال کی ذاتی خریدی ہوئی ہیں ، چند کتب ایسی ہیں جو ان کے احباب ، مصنفین اور ناشرین نے

ان کو تحفتاً پیش کیں - کچھ کتابیں ان کے اساتذہ ، احباب اور رفقا کار کی ملکیت تھیں مگر کسی نہ کسی طرح علامہ اقبال کے پاس پہنچ گئیں اور ذخیرۂ اقبال کا حصہ بن گئیں -

اس زمانہ میں ناشرین عام طور پر اپنی مطبوعات کے اختتام پر زیرِ طبع تازہ مطبوعات اور قدیم مطبوعات کی ایک مکمل فہرست شائع کیا کرتے تھے - علامہ اقبال نے کتب کے مطالعہ کے دوران ان فہرستوں پر اپنے پسندیدہ مصنفین اور موضوعات کی کتب کو نشان زد کیا ہے -

علامہ اقبال نے طالب علمی کے زمانہ میں اپنے دستخطوں کی ربڑ کی مہر بھی بنوا رکھی تھی - بعض کتب پر وہ مہر نیلی روشنائی سے ثبت کی گئی ہے -

بعض کتب کے حواشی پر سوالیہ نشان بھی لگائے گئے ہیں - کچھ کتابوں پر انھوں نے عربی الفاظ و محاورات تحریر کیے ہوئے ہیں - چند کتابوں پر انھوں نے قرآن حکیم کی آیات بھی تحریر کی ہوئی ہیں - ان کو بہت خوش خط لکھا گیا ہے

Sufism, its Saints and Shrines by John A. Subhan

اس کتاب کے سنِ اشاعت کی بنا پر اس کو اقبال کولیکشن کی تازہ ترین کتاب 'Latest' قرار دیا جا سکتا ہے - اس کا سن اشاعت مارچ ۱۹۳۸ء ہے - بیس ابواب یا ۱۲۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا موضوع ہندوستان میں تصوف اور تاریخِ تصوف ہے - مصنف نے بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی سے برصغیر میں صوفیا کے سلسلہ چشتیہ ، قادریہ ، سہروردیہ ، نقشبندیہ اور دیگر چھوٹے بڑے سلسلوں کے صوفیا کی تاریخ وفات ، جائے مزار اور اسلامی تقویم کے لحاظ سے تاریخ عروس درج کی ہے -

اس کی اشاعت کے قریباً ایک ماہ بعد علامہ اقبال اپنے خالق حقیقی سے جا ملے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتب کے عاشق تھے اور آخری

دم تک کتابیں حاصل کرتے رہے ۔

اقبال کولیکشن میں مختلف سنیں اور ایڈیشن کی مطبوعہ کتابیں موجود ہیں ۔ مگر سن اشاعت کے اعتبار سے ولیم کوپر کی The Task کو اقبال کولیکشن کی قدیم ترین مطبوعہ کتاب قرار دیا جا سکتا ہے ۔ علامہ اقبال نے کب اور کس سن میں اس کو اپنی لائبریری کا جزو بنایا ۔ اس کا تعین کرنا بہت مشکل ہی نہیں ، ناممکن ہے کیونکہ اس کتاب پر کسی جگہ بھی انھوں نے کچھ تحریر نہیں کیا ۔ نہ دستخط ، نہ تاریخ اور نہ ہی کسی صفحہ کو نشان زد کیا ہے ۔ کتاب کی فہرست پر بھی کوئی نشان موجود نہیں ۔

یہ طویل نظم ہے جو کوپر نے ۱۷۸۳ء میں لکھی اور دو سال بعد ۱۷۸۵ء میں پہلی مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہوئی مگر اقبال کولیکشن میں موجود ایڈیشن ۱۸۵۵ء کا چھپا ہوا ہے ۔ ۲۶۳ صفحات پر مشتمل یہ ایڈیشن لنڈن سے James Nisbet & Co. نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا ۔ یہ کتاب خوبصورت براؤن چمڑے کی جلد میں مجلد ہے ۔ جلد اور کتاب کے گرد طلائی کام کیا گیا ہے ۔ طلائی کام کو تقریباً ڈیڑھ سو برس بیت گئے ہیں مگر اس کی چمک نہ تو ماند پڑی اور نہ ہی مدھم ہوئی ۔ کوپر نے اس طویل نظم کو مندرجہ ذیل چھ Books میں تقسیم کیا ہے :

1.	Book First	...	The Sofa
2.	Book Second	...	The Time piece
3.	Book Third	...	The Garden
4.	Book Fourth	...	The Winter Evening
5.	Book Fifth	...	The Winter Morning Walk.
6.	Book Sixth	...	The Winter Walk at Noon.

انجمن حمایت اسلام اور اس کے تدریسی ادارے اسلامیہ کالج لاہور سے شاعر مشرق کی انتظامی اور تدریسی وابستگی سے ایک سوال ذہن میں

ابھرتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً طبع ہونے والی اپنی تصانیف بھی اپنے دستخطوں کے ساتھ کالج لائبریری کو پیش کی ہوں گی مگر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کی لائبریریوں میں بہت جد و جہد کے بعد صرف ایک کتاب دست یاب ہوسکی ہے جو خود انھوں نے اپنی زندگی میں کالج کو پیش کی۔

The Recontruction of Religious Thought in Islam
By
Sir Mohammad Iqbal

انھوں نے اپنی یہ شاہکار تصنیف ۶ جون ۱۹۳۴ء کو مندرجہ ذیل چار سطری عبارت کے ساتھ کالج کے کتابخانہ کو پیش کی۔ ان کی تحریر کی نقل یوں ہے:

Presented to the Islamia College Library
Mohammad Iqbal
6th June 1934
Lahore.

۱۹۳۴ء میں اسلامیہ کالج کے پرنسپل پروفیسر برکت علی قریشی مرحوم تھے وہ لفظ قریشی کے ہجے 'Kuraishi' لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے کتاب وصول کی۔ اپنے مختصر دستخط 'Bak'' ثبت کیے اور کتاب کالج لائبریری کو بھیج دی۔

یہ کتاب اصل میں علامہ اقبال کے سات لیکچروں کا مجموعہ ہے۔ یہ لیکچرز انھوں نے مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی درخواست پر لکھے تھے اور مدراس، حیدرآباد دکن اور علی گڑھ میں مختلف موقعوں پر پڑھے گئے تھے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں بعنوان

"Six Lectures on the Reconstrution of Religious Thought in Islam."

مگر ۱۹۳۴ء میں بعض لفظی ترامیم اور ایک نئے خطبے کے اضافہ کے

ساتھ (یہ خطبہ انھوں نے ارسٹوٹی لین سوسائٹی لنڈن کی دعوت پر لکھا تھا) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے زیر اہتمام طبع ہوئی ۔ یہی ایڈیشن علامہ اقبال نے اسلامیہ کالج کو تحفتہً دیا تھا ۔ یہ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب کے ۱۹۳۰ء والے ایڈیشن کا نام Six Lectures سے شروع ہوتا تھا کیونکہ اس میں تھے ہی چھ خطبات ۔ ۱۹۳۴ء میں چھپنے والے ایڈیشن میں سات لیکچرز ہیں ۔ اس لیے اس ایڈیشن سے Six Lectures کے الفاظ حذف کر دیے گئے اور اس کا عنوان یہ رکھا :

The Reconstruction of Religious thought in Islam

ان خطبات کا اردو ترجمہ بعنوان "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" نذیر نیازی مرحوم نے کیا اور بزم اقبال لاہور نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا ۔

حواشی

۱ ۔ روزگار فقیر ، جلد دوم ، ص ۵۸ ۔

علامہ اقبال کے ذاتی کتب خانے میں
چند قانونی کتابیں

علامہ اقبال نے ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ۔ اے پاس کرنے کے بعد ایم ۔ اے ۔ فلسفہ میں داخلہ لیا ۔ اس زمانہ میں ایم ۔ اے کا کورس ایک سال کا ہوتا تھا ۔ اسی سال آپ نے لاہور لاء سکول میں لاء کی تعلیم بھی حاصل کی ۔ چنانچہ دونوں کورس ایک ساتھ چلتے رہے ۔ دسمبر ۱۸۹۸ء میں آپ نے لاء کے امتحان میں شرکت کی ۔ یہ امتحان چھ پرچوں پر محیط ہوتا تھا ۔ آپ پانچ پرچوں میں تو کامیاب ہو گئے ۔ مگر جورس پروڈنس (Jurisprodence) کے چھٹے پرچے یعنی ''فقہ'' میں ناکام رہے ۔ اس کے بعد آپ ایم ۔ اے ۔ کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہوئے اور ۱۸۹۹ء میں ایم ۔ اے کا امتحان پاس کر کے تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔

حضرت علامہ نے ۶ جون ۱۹۰۰ء کو ویشنو سنگھ کپور ایڈووکیٹ کی معرفت پنجاب چیف کورٹ (بعد میں ہائی کورٹ) کو درخواست دی کہ لیکچروں میں باقاعدہ حاضر ہوئے بغیر ان کو دسمبر ۱۹۰۰ء میں دوبارہ لاء کے امتحان میں شرکت کی اجازت دی جائے ۔ مگر چیف کورٹ کے قواعد و ضوابط کی وجہ سے مسٹر جسٹس چٹرجی نے آپ کی یہ درخواست قبول نہ کی ۔ چیف کورٹ کے رجسٹرار نے مورخہ ۲۱ جون ۱۹۰۰ء کو بذریعہ چٹھی نمبر ۲۵۴۵/G معرفت ویشنو سنگھ کپور آپ کو درخواست مذکورہ کے مسترد ہونے کی اطلاع دی ۔

آپ نے اس درخواست کی نامنظوری کو نظر انداز کرتے ہوئے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اس زمانہ میں بھی آپ اپنی ذاتی

لائبریری کے لیے قانون کی کتابیں خریدتے رہے ۔ قالون سے آپ کو لگاؤ تھا ۔ یہی لگاؤ آگے چل کر ان کو اس پیشہ میں لے آیا ۔

۱۹۰۵ء میں انگلستان پہنچنے کے بعد آپ نے کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرنٹی کالج میں بی ۔ اے میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی لنڈن کے لنکنزان میں لاء کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لے لیا ۔ چنانچہ لنکنزان کے قانونی امتحانات میں شرکت کے لیے آپ کو کیمبرج سے لنڈن آنا ہوتا تھا ۔ آپ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۶ء تک ایک سال کیمبرج میں رہے ۔ ۱۹۰۶ء میں کیمبرج سے بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ۔ پھر جرمنی جا کر میونخ یونیورسٹی سے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کیا ۔ ۱۹۰۸ء میں لنکنزان سے بار ایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی ۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک تین سال یورپ میں گزارنے کے بعد ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے ۔ لاہور اسٹیشن پر آپ کا شایانِ شان استقبال کیا گیا ۔ آپ کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا ۔ اس تقریب سے فارغ ہو کر آپ سیالکوٹ چلے گئے ۔

وہاں بھی آپ کا شایانِ شان خیر مقدم ہوا ۔ قیام سیالکوٹ میں آرام اور غور و فکر کرنے کے بعد آپ نے فیصلہ کیا کہ وکالت کو بطور پیشہ اپنایا جائے ۔ اسی زمانہ میں آپ نے منشی محمد دین فوق کے نام ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء کو ایک خط میں مندرجہ ذیل ارادے کا اظہار کیا اور اس ارادہ میں کامیابی کے لیے ان سے دعا کی درخواست بھی کی ۔ آپ لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔ ہمہ تن قانون کی کتب کی طرف متوجہ ہوں ۔ چونکہ اس کام کو شروع کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں ۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے ۔ میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں ۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شامل حال ہو ۔ انشا اللہ نومبر میں لاہور چلا جاؤں گا اور مستقل طور پر کام شروع کروں گا ۔"[۲]

جب آپ نے وکالت کو پیشہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تو چیف کورٹ پنجاب میں انرول منٹ کے لیے درخواست دی ۔ چیف کورٹ کے رجسٹرار[۳] مسٹر ارتھر ڈالسن (Arthur Danson) نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو درخواست کی رسمی منظوری دے دی تو آپ کا نام بذریعہ آفس آرڈر نمبر ۵۰۹/G مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو چیف کورٹ کے وکلاء کی فہرست میں شامل ہو گیا ۔

اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد لاہور آئے اور اقبال کے دوست مرزا جلال الدین بیرسٹر کی مدد سے موہن لال روڈ (اردو بازار) پر ایک کوٹھی کرایہ پر حاصل کی ۔ قانونی کتب کی ایک لائبریری تیار کی گئی ۔ علامہ اقبال نومبر ۱۹۰۸ء میں سیالکوٹ سے لاہور آئے ۔ پورے انہماک اور محنت کے ساتھ وکالت شروع کی ۔ کچھ عرصہ ضلعی عدالتوں میں پریکٹس کرنے کے بعد عدالت عالیہ میں پریکٹس شروع کر دی اور ضلعی عدالتوں میں پریکٹس پر عدالت عالیہ کو ترجیح دی ۔

جب سر محمد شفیع وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل میں لے لیے گئے تو وہ جاتی دفعہ اپنا دفتر جو انارکلی میں تھا اقبال کو دے گئے ۔ دفتر کے ساتھ اپنے تمام مقدمات حتیٰ کہ اپنا منشی طاہر الدین بھی علامہ اقبال کے حوالے کر گئے ۔ منشی صاحب آخر وقت تک اقبال سے وفاداری کا دم بھرتے رہے اقبال نے اپنی وصیت میں اپنے نابالغ بچوں کی نگرانی اور اپنی املاک کی حفاظت کے لیے چار ٹرسٹیوں میں ایک ان کو مقرر کیا ۔

آپ وکالت کو بطور پیشہ اپنا چکے تو علی گڑھ کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور کی طرف سے پروفیسر شپ کی پیش کش سے انکار کر دیا ۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انھوں نے طویل تعلیمی رخصت لے رکھی تھی ۔ وہ ختم ہو چکی تھی مگر اچانک فلسفہ کے پروفیسر جیمز کے مر جانے سے گورنمنٹ کالج کے شعبہ فلسفہ میں خلا پیدا ہو گیا ۔ محکمۂ تعلیم بہ ہزار کوشش بھی اس کو پُر نہ کر سکا ، تو لیفٹننٹ گورنر پنجاب کے حکم سے انڈر سیکرٹری ہوم مسٹر[۴] J.C. Godlay نے چیف کورٹ سے استدعا کر کے ۸ مئی ۱۹۰۹ء کو ایک گشتی مراسلہ نمبر ۱۴۵ کے ذریعے تمام ماتحت

عدالتوں کو حکم جاری کرایا کہ جس مقدمے میں اقبال وکیل ہوں وہ لنچ کے بعد رکھا جائے تا کہ صبح کے وقت وہ کالج میں لیکچر دے سکیں۔

علامہ اقبال کا اپنا بیان ہے:

''انگلستان سے واپس آنے پر لاہور گورنمنٹ کالج میں مجھے فلسفہ کا اعلیٰ پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ کام میں نے ۱۸ ماہ تک کیا اور یہاں کی اعلیٰ ترین جماعتوں کو اس فن کی تعلیم دی۔ گورنمنٹ نے بعد ازاں یہ جگہ مجھے آفر بھی کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ میری ضرورت گورنمنٹ کو کس قدر تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ پروفیسری کے تقرر کی وجہ سے میں صبح کچہری نہ جا سکتا تھا۔ ججان ہائی کورٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میرے تمام مقدمات دن کے پچھلے حصے میں پیش ہوا کریں۔ چنانچہ ۱۸ ماہ تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔''

مگر بعد میں انھوں نے تدریس کے پیشہ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ ۹ اپریل ۱۹۰۹ء کو عطیہ فیضی کے نام ایک خط میں یوں تحریر فرمایا:

''بلاشبہ چند روز قبل میں نے علی گڑھ کے شعبہ فلسفہ کی پروفیسری اور گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ تاریخ کی پروفیسری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں قید ملازمت سے آزاد رہنا چاہتا ہوں[۶]۔''

۱۷ جولائی ۱۹۰۹ء کو عطیہ فیضی ہی کے نام آپ نے ایک خط میں تحریر کیا:

''لفٹیننٹ گورنر اس بات پر آمادہ تھا کہ گورنمنٹ کالج لاہور کی پروفیسری کے لیے جو خالی پڑی ہے۔ میری سفارش کر دے۔ لیکن میں نے ذاتی رجحان کے خلاف اس جگہ کے لیے امیدوار بننے کے خیال کو ترک کر دیا ہے۔ حالات مجبور کرتے ہیں کہ میں مختلف

امور پر مالی نقطہ نظر سے غور کروں اور یہ نقطہ نظر وہ ہے جس سے چند سال قبل مجھے دلی کراہت تھی ۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ خدائی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے قانونی پیشے کو جاری رکھوں ۔"

فقیر سید وحید الدین اپنی تصنیف روزگار فقیر میں رقم طراز ہیں :
"انگلستان جانے سے پہلے علامہ اقبال اورینٹل کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج لاہور میں لیکچرار اور اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے تھے ۔ انگلستان سے واپس آنے کے بعد کچھ دنوں گورنمنٹ کالج میں پروفیسر بھی رہے لیکن ملازمت سے انھیں طبعی نفرت اور بے زاری تھی ۔ ولایت سے واپسی پر انھیں انڈین ایجوکیشن سروس (I.E.S.) کی پیش کش کی گئی لیکن انھوں نے بیرسٹری کے آزاد پیشے کو اس پابندی پر ترجیح دی ۔ اول تو علامہ نے قلندرانہ مزاج اور آزاد طبیعت پائی تھی ، پھر ایک واقعہ نے اس رنگ کو اور بھی تیز اور پختہ کر دیا ۔ فرماتے تھے کہ میں جن دنوں گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھا، وہاں کے پرنسپل نے طالب علموں کی حاضری کے بارے میں مجھ سے کچھ ایسے انداز میں گفتگو کی جیسے کوئی عہدے دار کلرک سے کرتا ہے ۔ بس اس دن سے ملازمت سے میرا دل کھٹا ہو گیا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ، ملازمت سے دامن کشاں ہی رہوں گا[٨] ۔"

یہ واقعہ حضرت علامہ کی قلندرانہ اور آزادانہ طبع کی بہترین مثال ہے کہ آپ ملازمت کی پابندیوں کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے ۔ اسی لیے آپ نے ملازمت پر وکالت کو ترجیح دی ۔

اقبال ہمیشہ اپنے مقدمات کو بہت محنت سے تیار کرتے تھے ۔ ان کی کوشش ہوتی کہ کم مقدمات کی ذمہ داری قبول کی جائے تاکہ ان کی تیاری میں پوری توجہ دے سکیں ۔ اپنی قانع طبیعت کی وجہ سے بھی وہ زیادہ مقدمات کی پیروی قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ضرورت سے زیادہ

کی حرص ہی نہ کرتے تھے ۔ اس کے باوجود ان کی وکالت سے آمدنی ، ان کی کتب کی رائلٹی اور دیگر تعلیمی ذرائع کی آمدنی سے مجموعی طور پر زیادہ تھی ۔ آپ کی آمدنی کے گوشوارے جناب صفدر محمود نے پیش کیے ہیں :

آپ لکھتے ہیں :

''انکم ٹیکس فائل کی روشنی میں علامہ اقبال کی زندگی پر نگاہ ڈالیں تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں ۔ جن سے قاری خود نتائج اخذ کر سکتا ہے ۔ علامہ اقبال نے ۱۷ - ۱۹۱۶ء سے لے کر وفات تک کل ۱،۹۸،۸۴۶/- روپے کمائے اور ۹۸۶۱ روپے ٹیکس ادا کیا ۔ اس آمدنی کا تجزیہ درج ذیل ہے ۔

وکالت سے آمدنی	کتابوں سے آمدنی	یونیورسٹیوں سے آمدنی
۱،۰۰،۲۷۴/-	۶۲،۹۶۷/-	۵۴،۷۳۱/-

فائل میں صرف بائیس سال کا حساب موجود ہے ۔ جس میں آپ نے صرف اُنیس برس وکالت کی اور اس سے تقریباً ایک لاکھ روپے کمائے جنہیں موجودہ حالات میں چھ سات لاکھ کے برابر سمجھنا چاہیے ۔ اسی طرح کتابوں کی آمدنی اور یونیورسٹیوں کی آمدنی کو دیکھ کر یہ کہنا کہ آپ اچھے وکیل نہیں تھے ، صحیح نہیں ہوگا ۔''

حضرت علامہ نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۵ء تک نہایت محنت ، جانفشانی اور دیانت داری سے وکالت کی ۔ آپ نے تقریباً ۲۷ سال اس پیشہ کو انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیا ۔ آپ نے اپنی ادبی ، تعلیمی ، سیاسی اور معاشرتی مصروفیات کو اس پیشہ پر اثر انداز نہیں ہونے دیا ۔ یہ امر ان کی آمدنی کے گوشوارے اور تجزیے سے عیاں ہے ۔

علامہ اقبال نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنا وصیت نامہ تحریر کیا اور وصیت کی کہ میرے بعد میری ذاتی لائبریری کی تمام مطبوعہ انگریزی کتب انجمن حمایت اسلام کے تدریسی ادارے اسلامیہ کالج لاہور کی

لائبریری میں رکھ دی جائیں ۔ وصیت نامہ کے آخری دو پیروں کی نقل درج ذیل ہے ۔

''اس وقت جو ملکیت کی چیزیں ہیں ، مندرجہ ذیل ہیں :
کتب فلسفہ و لٹریچر وغیرہ ۔ ان میں سے چند کتب یعنی اپنی تصنیف کردہ کتب کے مطبوعہ نسخے مع مسودات ۔

مثنوی مولانا روم ، فارسی و انگریزی ، مرتبہ ڈاکٹر نکلسن ۔ دیوان مرزا عبدالقادر بیدل قلمی ۔ مثنوی مراۃ معنوی (مولانا روم ، مطبوعہ حیدر آباد) اپنے پڑھنے کا قرآن شریف ۔ باقی اور مسودات و کاغذات میں نے جاوید کو بطور یادگار دے دیے ہیں ۔ باقی کتب مطبوعہ انگریزی وغیرہ میری وفات کے بعد اسلامیہ کالج ، لاہور کی لائبریری میں رکھ دی جائیں۔

باقی میرا اسباب ، مثلاً دو قالین برنگ سرخ و دری و صوفہ و کرسیاں بکس اور پہننے کے کپڑے ہیں ۔ ان کی نسبت میری وصیت یہ ہے کہ میری وفات کے بعد میرے پہننے کے تمام کپڑے غرباء میں تقسیم کر دیے جائیں ۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء
لاہور بقلم خود
۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء''

آپ کی رحلت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی ذاتی لائبریری اسلامیہ کالج لاہور میں رکھ دی گئی ۔ علم و دانش کے اس خزانے کا لائبریری میں ایک جدا سیکشن بنا دیا گیا اور اس سیکشن کا نام اقبال کولیکشن رکھا گیا ۔ یہ ذخیرہ اب بھی اقبال کولیکشن کے نام سے موسوم ہے ۔ لائبریری میں ان کتب کو کتب حوالہ (Reference Books) کی حیثیت حاصل ہے ۔ ان کو لائبریری سے باہر لے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ صرف لائبریری میں بیٹھ کر ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔

یہ کولیکشن ۳۳۰۴ نادر و نایاب کتابوں پر مشتمل ہے ۔ اس میں فلسفہ ، ہیگل ازم ، الٰہیات ، نفسیات ، مذاہب عالم، مذہب اسلام ، سیاسیات

اقتصادیات، قانون ، تصوف اور تاریخ تصوف ، تعلیم ، زمان و مکان ، نظریۂ اضافیت اور آئن اسٹائن ، ڈارون ازم ، جنرل سائنس ، تاریخ عالم ، زبان و ادبیات انگریزی ، مختلف زبانوں کی ادبیات کے انگریزی تراجم ، جغرافیہ اور سفر نامے کی کتابیں شامل ہیں ۔ فلسفہ ، تاریخ اور تاریخ سیاسیات کی مختلف کتابوں میں دنیا کے ہر قدیم و جدید ازم کی تاریخ و تعارف موجود ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے وصیت کی تھی کہ فلسفہ و انگریزی کی کتب اسلامیہ کالج کو دی جائیں مگر اتفاق سے اس ذخیرہ میں مندرجہ ذیل دس کتابیں قانون کی بھی آ گئی ہیں جن کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے ۔ ان دس کتابوں میں سے صرف تین کتابیں ایسی ہیں جو اہمیت کی حامل ہیں ان کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے ۔ باقی سات کتابوں کے مصنف کا نام ، کتاب کا نام ، پبلشر کا نام سال طباعت اور تعداد صفحات کے اندراج پر ہی اکتفا کیا جائے گا ۔ کیونکہ ان کے کسی صفحے کو بھی حضرت علامہ نے نشان زد نہیں کیا نہ ہی کوئی نوٹس وغیرہ تحریر کیے ہیں ۔

1. William Galbraith Miller—The Data of Jurisprudence London, William Green. 1903—477.

2. Fleury, Maurice De—The Criminal Mind—London, Downey and Co.—1901—1931-32.

3. Harris, Richard—Illustrations in Advocacy, with an analysis of the speeches of Mr. Hawkins, Q.C. (Lord Brampton), In the Tichborne prosecution for Perjury, (A study in Advocacy) Also a Prefactory Letter from the Right Hon. Lord Brampton London, Stevens and Haynes.—1904—273.

4. Menger, Anton—The Right to the Whole Produce of Lahore : The Origin and Development of the Theory of Labour's Claim to the whole product of Industry Translated by M.E. Tanner with an Introduction and

Bibliography By H S. Foxwell.—London, Macmillian and Co.—1889—271.

5. Charles, Mercier, M.B—Criminal Responsibility—Oxford, At the Clarendon Press,—1905—232.

6. Seymour Vesey-Fitzgerald—Muhammadan Law : an abridgement according to its various schools. Oxford, University Press—1931—252.

7. F.E. Smith B.C.L.—International Law—London, Bedford St.—1903—184.

8. Sir William Markby—Elements of Law — Oxford Clarendon Press—1896—443.

9. S. Roy—The Law Relating to Bad Livelihood and cognate Preventive Measure—Calcutta, Wilkins Press 1913—197.

10. William Marris—Civil Government for Indian Students Calcutta, S.C. Sanial Press—1921—268.
The Law Relating to Bad Livelihood and Cognate Preventive Measure—by S. Roy—1913.

اس کتاب کے سرورق کی پشت اور صفحہ ۱۹۰ پر کسی شخص نے حضرت علامہ کا نام تحریر کیا ہے - سیاہ روشنائی سے لکھی تین سطریں ہیں :

Dr. Sh. Mohammad Iqbal
Bar-at-Law
Lahore

مگر یہ تحریر ان کے اپنے ہاتھ کی نہیں ہے . ان کا ہینڈ رائٹنگ اس سے بہت مختلف ہے ہو سکتا ہے کہ یہ ان کے منشی نے لکھا ہو یا کسی ساتھی وکیل نے تحریر کیا ہو .

یہ کتاب ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے - اس میں **Bad Livilihood** کے قانون پر بڑی وضاحت سے بحث کی گئی ہے - اس قانون کی مختلف دفعات کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے اس قانون سے متعلق مختلف مقدمات کے حوالے بھی دیے°° ہیں ، جس سے ان دفعات کی مختصر مگر جامع تشریح ہو جاتی ہے ، مگر حضرت علامہ نے کسی صفحہ کو بھی انڈر لائن نہیں کیا -

Civil Government for Indian Students

by

William Marris and James Willford Garner, 1921

اس کتاب میں مصنفین نے قانون اور ہندوستان کی سیاست کو خوب صورت انداز سے بیان کیا ہے - اس میں ایک خاص باب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء کے لیے مختص کیا گیا ہے - اس باب میں اس ایکٹ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے - یہ باب ایک سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے ، جبکہ یہ کتاب ۳۶۸ صفحات پر محیط ہے -

حضرت علامہ نے اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل ابواب کے سامنے لکھے گئے صفحات کو سیاہ روشنائی یا سیاہ پنسل سے انڈر لائن کیا ہے :

1. What is Gervnment ?—15, 16, 19, 22, 23.

2. Forms of Government.—61.

3. Citizens, their Rights and Duties.—78—80.

4. The Government of India,—196, 198, 200, 201, 206.

Elements of Law "Principles of General Jurisprudence"

by

Sir William Markby, 1896

حضرت علامہ اقبال ایم . اے فلسفہ میں کامیابی کے بعد ۱۸۹۹ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میں میکلوڈ ریڈر مقرر ہوئے . یہ کتاب آپ نے

اسی زمانے میں خریدی کیونکہ کتاب کے سرورق پر مندرجہ ذیل چار سطری عبارت میں آپ نے اپنا نام ، عہدہ اور شہر کا نام سیاہ پنسل سے تحریر کیا ہے ۔ نقل پیش خدمت ہے ۔

Mohammad Iqbal
Mcleod Reader
Punjab University
Lahore

یہ تحریر اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ۱۸۹۶ء میں آکسفورڈ سے شائع ہونے والی یہ قانون کی کتاب آپ نے ۱۸۹۹ء میں خریدی تھی ۔ یہ کتاب بیس ابواب یعنی ۴۴۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔

اس کتاب کے آخر میں کتاب کے کور پر آپ نے سیاہ پنسل کے ساتھ مندرجہ ذیل نوٹس تحریر کیے ہیں یہ نوٹس ایک صفحہ پر پھیلے ہوئے ہیں ۔

SOURCES OF LAW

1. Will of the Supreme Political (M) authority,
2. Interpretation of Early—or laws made Supreme Political authority.
   (*a*) Grammatical (m)
   (*b*) Logical
   (*c*) Historical
   (*d*) Ratio Legis (the Relation of one law to the other or others) (the use of analogy where Interpretation fails)
3. Custom (Influences interpretation) becomes law when enforced by judges.

4. Commantaries (m) a moral law (Markby does not look upon this source as the real source of law.

5. Divine Law.

6. Judge made law (This source Markby uncludes in the 2nd) Which Rathingon calls oblique legislation.

7. Equity (not recognised by Markby) on 2, 3, 6 influence of laywers

General Conception of اس کتاب کے باب اول بعنوان Law,, مطالعہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل صفحات پر جو نوٹس لکھے ہیں۔ وہ یہ ہیں ۔

Page 8 2nd oby :

Austins's conception in-applicable to Ranjit Singh's Time because people then were governed by suni religious laws and not by positive laws. Maine holds that this state of things can be brought under Austin's principle that whatever the sovereign permits he commands. But this according to Markby is not Austin's principle. He refuses the criticism by saying that the distinction between positive law and morality was not recognised in Ranjit Singh's days and the existence of such rules does not affect Austin's conception of law.

Page 10

(i) Reply
(ii) 4th objection

Page 11

(i) The objection stated
(ii) Austin's reply

Page 12

(i) Criticism of Austin's reply 5th objection (stated by Rattigon) Customary law of the Punjab as included in Austin's Conception of Law.

Page 13

(i) Austin's rejoinder

(ii) Markby's view

Page 14

(i) Markby's Position

(ii) Markby's defence of Austin.

Page 22

The supreme court exercises the function of declaring as void the acts of President and Congress (Supposing of course with Austin that the President and Congress is not a supreme power in America) if they are against the provisions laid down—but the power is not political, it is merely judicial.

Page 25

Although the Sovereign is Supreme yet powerful checks.....

Page 26

Classification of power

Page 27

Different theories of the origin of Political society

Page 28

(i) Criticism on the theory of social compact

(ii) Markby's View

Page 30

(i) other principles advanced as bases of authority to make laws. This principle is asserted however to lead to happiness.

(ii) Markby's criticism of the principle of equal freedom

Page 32

(i) Markby's defence of the Principle of Utility.

کتاب کے باب دوم بعنوان "Persons and Things" کے صفحات ہر آپ کے تحریر کیے ہوئے نوٹس :

Page 79

(i) Roman distinction between real and personal.

(ii) English distinction between real and personal.

Page 80

Rattigan's classification of things

(a) Moveable– Immoveable

(b) Fungible—Non-fungible

(c) Consumable—Non-Con. (Consumable)

(d) Divisible—Non-D. (Divisible)

(e) Principle accessory

(f) Res in Commercio entra commercium.

Page 82

French view of birth

Page 84

Rattigan's Classification of Juristic person :—

"a person upon whom the law has confirred a legal status and who is thus capable of sustaining the mask of personality, having the same capacity for rights and liability to duties as natural person."

"status is any aggregate of rights and duties attached to a person either as a member of a community or as one of a class."

Page 86

Legal status of a person should be conferred upon them by the sovereign.

Kinds of Juristic Persons :—

1. Universitats Personarum PV

2. Universitats Bonorum
   (Estate of an interest)
   They are created

   (1st Class) by a special act of the Sovereign and cease to exist in several ways ;—

1. By failure of its component parts.

2. By a valid resolution on the part of the group of persons constituting it.

3. By expiry of the period fixed for its duration.

4. By Confiscation of its privileges.

5. By a surrender of its franchises.

Page 91

Rattingon's explanation :—P. 33, para 20

کتاب کے باب سوم بعنوان "Source of Law" کے صفحات پر آپ
کے لکھے ہوئے حواشی کی نقل یوں ہے -

Page 42

(i) The relation which one Law bears to another.

Page 43

(i) When the three kinds of Interpretation fail, we enter or restrict the law on the principle of analogy.

Page 48

(i) Development of Roman Law Ist stage.

(ii) 2nd Interpretation

(iii) Influence of Equity.

Page 50

(i) Manu recognises the influence of custom.

Page 53

(i) Ist stage :—Personal—Law of a person determined by his discent.

Page 54

(ı) 2nd stage—The relation under the influence of Feudalism.

(ii) 3rd stage—Amalgamation of Roman or Barbarian law resulting in law of a coutury after 12th Century.

Page 55

In England the influence of Roman law resisted but accepted to some extent in ecclesiastive management.

Page 57

In England custom took its place. English case law does for England what Roman Law for other custom.

Page 58

(i) Development of English law

(ii) Custom

(iii) Year books authority of preceeding decisions.

Page 59

New phase in the conciousness of the judges of England. (Imovation)

Page 61

Deligation of authority

Page 75

Origin of Equity sar Rattigan. The Original consideration of human nature.

Page 76

Rattigan looks upon equity and custom as separated sources of law.

(——he calls obligue legislation)

Page 77

Why equity is not useful in India ?

کتاب کے باب چہارم کے مختلف صفحات پر آپ کے تحریر کیے ہوئے
نوٹس کی نقل پیش خدمت ہے :

Page 92

(i) Rattingon's object of Law creation and protection of rights—Origin of right (see Rattingon :—P. 29, Para 14)

(ii) Rattingon's defination P. 26, Para 11.

(iii) Nature of right and duties —specific.

93. This is denied by some jurists.

94. Differences between the rights of sovereign of the rights of citizens.

95. cf : Rattigan.
cf : Rattigan.

101. cf : Rattigan.

102. Classification of duties.

103. Def. of obligation.

Chapter VI

The Creation, Extinction, and Transfer of Legal Relations.

کتاب کے باب ششم کے مندرجہ ذیل صفحات پر آپ نے پنسل
کے ساتھ مندرجہ ذیل نوٹس تحریر کیے ہیں :

117. Analysis of act :—

1. Roman control.

2. Bodily movement following volition.

4. (Motive) intention and knowable.

119. Consequences expected and desired :— intention ; consequences expected but not desired knowable.

125. Material for the application of the method of investigation.

134. Markby recognises no difference between a messenger and an agent.

135. Matters affecting the legal result.

facts ;—

1. Intention.

2. Duress.

3. Error.

4, Infancy.

5. Insanity.

6. Fraud.

اسی کتاب کے باب ہشتم بعنوان "Owneaship" کے مندرجہ ذیل صفحات پر آپ نے حواشی لکھے ہیں :

165. Peculiarities of English law of ownership.

Page 170

Peculiarities of English law of ownership.

1. The notion of Estate.

2. Long leases.

3. Restriction on alienation (Powers of al : detached from ownership).

4. Separation of legal from equitable ownership.

کتاب کے باب یاز دہم بعنوان "Security" کے صفحات پر آپ نے مندرجہ ذیل نوٹس تحریر کیے ہیں :

217. Nexum : debtor handed over bodily to the creditor.

(ii) Sponsis - in the —— of the debtor the creditor was allowed to have

218. Transfer of the ownership of a specific thing.

219. Transfer of bare possession,

220. Transfer of possession.

Page 230.

The English lawyers hold that possession is necessary for security and they lay a great stress on lien as distinguished from pledge which implies some thing more than mere detention powerful. But the author holds that although the pledgee has a real right yet this right does not depend on the power of sale possessed by the creditor. Its nature is similar to that of an easement. Indeed the essance of security is power of sale but the creaditors ability to exercise it is no way affected by or in a way affects. The nature of interest in the actual pledge.

حضرت علامہ اقبال نے اس کتاب کے درج ذیل اجواب کے سامنے لکھے گئے صفحات کو سیاہ پنسل سے نشان زد بھی کیا ہے . پنسل کی لائنیں باریک اور نمایاں ہیں :

CONTENTS

Chapter I

General Conception of Law, 3, 4, 6, 9, 21, 23 ,24, 29, 33, 34, 35

Chapter II

Sources of Law, 37—39, 47, 49, 52, 62, 63, 65, 66, 68, 71, 74

Chapter III

Persons and Things, 78, 81—83, 87, 89, 90

Chapter IV

Duties and Rights, 96, 105

Chapter VI

The Creation, Extinction, and Transfer of Legal Relations, 113, 118, 120—124, 126—129, 143—145

Chapter VII

The Arrangement of the Law, 153, 154

Chapter VIII

Ownership, 158—160, 163, 166—169, 171, 175

Chapter IX

Possession, 194, 199

Chapter X

Easements and Profits-A-Prendre, 209

Chapter XI

Security, 224, 228

Chapter XIII

On Prescription, 270, 279, 281

Chapter XVI

Liability for Tort, 330, 331

حواشی

1. Letters and Writings of Iqbal, ed by B.A. Dar, pp. 36—48.
(A New Light on Iqbal's Life, by S.M. Tirmidi)

۲ - اقبال اور فوق ، از محمد عبداللہ قریشی ، مجلہ اقبال ، اپریل ۱۹۶۰ء ، (مطالعہ اقبال ، ص ۸۹) انوار اقبال ، مرتبہ بشیر احمد ڈار ، ص ۵۴ -

۳ - Letters and Writings of Iqbal, by Dar, pp. 36—48 -

۴ - Letters and Writings of Iqbal, pp. 36—48 -

۵ - شاہ اقبال ، ص ۵۴ -

۶ - اقبال نامہ ، ج ۲ ، مرتبہ عطا اللہ ، ص ۱۱۸ -

۷ - اقبال نامہ ، مرتبہ شیخ عطا اللہ ، ج ۲ ، ص ۳۵۹ -

۸ - روزگارِ فقیر ، جلد دوم ، ص ۱۵۶ -

۹ - صحیفہ اقبال نمبر ، جلد اول ۱۹۷۳ء ، ص ۲۲ -

۱۰ - روزگار فقیر ، جلد دوم ، ص ۵۶ - ۵۸ ایڈیشن ۱۹۶۵ء -

اقبال اور ابوالخیر عبداللہ

علامہ اقبال کو برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی ، تہذیبی ، مذہبی اور تعلیمی تحریکوں سے گہری اور پرخلوص دلچسپی رہی ہے ۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی بہتری اور ترقی کے لیے یہاں کی سیاسی اور تعلیمی سرگرمیوں میں عملی حصہ بھی لیا ۔ اقبال ہر اس ادارے کی ترقی اور فروغ کے خواہاں تھے جو مسلمانانِ ہند کی تعلیمی اور سماجی فلاح و بہبود کے لیے کوئی بہتر کام کرتا تھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی زبوں حالی اور تعلیمی پس ماندگی کے خلاف جہاد جاری تھا ۔

بیسویں صدی کے ربع اول میں مسلمانانِ برصغیر نے بڑی بڑی تحریکیں چلائیں ، جن کا تعلق برطانوی استعمار کے خلاف جد و جہد تھا ۔ تحریکِ خلافت سے ہندوستان کے مسلمانوں کو جذباتی وابستگی تھی اور اس کے اثرات کے بعد ان میں مایوسی اور ناامیدی چھا چکی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں ہندوستان کے مختلف شہروں اور طبقوں کے حساس مسلمانوں نے احیائے اسلام کے لیے سوچ بچار شروع کر دی ۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر ظفر الحسن صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی اور مشرقی پنجاب میں میر غلام بھیک نیرنگ البالوی اس موضوع کو بالخصوص مرکزِ غور و فکر ٹھہراتے تھے ۔

اسی زمانے میں لاہور کے چند تعلیم یافتہ افراد نے اس طرف توجہ دی ۔ ان میں خواجہ عبدالوحید اور مولانا ابوالخیر عبداللہ بھی شامل تھے ۔ علامہ اقبال کے مداحین ایک جمعیت بنانے کے متعلق غور و فکر کر رہے تھے ۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ سے مفصل گفتگو ہو چکی تھی اور سب احباب کا خیال تھا کہ اس جماعت کی قیادت علامہ اقبال کے

سپرد ہو ۔ مولانا ابوالخیر عبداللہ اس انجمن کے سرگرم اور بانی ارکان میں سے تھے اور وہ علامہ کے بہت مداح تھے ۔ اکثر علامہ کی خدمت میں جاتے اور ان سے استفادہ کرتے ۔ دونوں میں یہ علمی تعلق جو جوانی میں پیدا ہو گیا تھا ، آخر دم تک قائم رہا ۔

خواجہ عبدالوحید اپنی بیاض میں تحریک شبان المسلمین کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہیں ۔ ان کی ڈائری کے اوراق کے مندرجات میں اس انجمن کے ارکان کے نام بھی موجود ہیں ۔ اس انجمن کی تشکیل کے متعلق ڈاکٹر سید ظفرالحسن سے مفصل خط و کتابت ہو چکی تھی ۔ اس لیے انھوں نے محمد محمود اور برہان احمد فاروقی کو اس انجمن کی ابتدائی کارروائیوں میں شرکت کے لیے علی گڑھ سے بھیجا ۔ مولانا ابوالخیر عبداللہ اس انجمن کے سرگرم رکن تھے اور اس کے ہر جلسے میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے ۔ انجمن کی تمام کارروائی خواجہ عبدالوحید کے گھر پر ہوتی تھی ۔ ایک جلسے کی کارروائی خواجہ عبدالوحید کی زبانی پیش خدمت ہے :

"۲۹ اپریل ۱۹۳۵ء — تین بجے صوفی (تبسم) صاحب اور شیخ حسام الدین (میرے مکان پر) تشریف لائے ۔ ساڑھے تین بجے ابوالخیر (عبداللہ) صاحب اور (محمد شریف) بھی صاحب آ گئے ۔ پھر علی گڑھ والے اصحاب تشریف لائے ۔ ساڑھے پانچ بجے تک اجتماع رہا ۔ بجوزہ جمعیۃ شبان المسلمین کے متعلق طویل گفتگو ہوئی اور ہر معاملے میں ہم سب لوگوں کی رائے متفق ہوئی ۔ ساڑھے پانچ بجے مہمان رخصت ہوئے ۔"

علی گڑھ سے جو بزرگوار تشریف لائے تھے ، ان میں سے ایک محمد محمود صاحب مسلم یونیورسٹی میں فلاسفی کے لیکچرار ہیں اور دوسرے برہان احمد (فاروقی) صاحب وہاں ریسرچ اسکالر ہیں ۔ اول الذکر بہت ذہین اور سمجھ دار ہیں ۔ ان کی گفتگو دلپذیر اور پسندیدہ ہے ۔ دوسرے صاحب بہت کم بات کرتے تھے اگرچہ بات کرنا جانتے ضرور تھے ۔ ان لوگوں کا خلوص ، ان کا جوش دیکھ کر حیرت ہوتی تھی ۔ ان کا علی گڑھ

سے لاہور آنا ہی ان کے خلوص اور جوش کا زبردست ثبوت تھا ۔[1]

انجمن کے ارکان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کی صدارت علامہ اقبال قبول کریں ۔ خواجہ عبدالوحید انجمن کی تشکیل کے متعلق علامہ سے پہلے ہی بات چیت کر چکے تھے ۔ آپ انجمن کے متعلق مولانا ابوالخیر عبداللہ کے مشوروں کو زیادہ وقعت دیتے تھے ۔ مولانا کا خیال تھا کہ انجمن کا قیام جلد عمل میں لایا جائے مگر علامہ اس زمانے میں بھوپال گئے ہوئے تھے ۔ خواجہ صاحب کا خیال تھا کہ اقبال کی واپسی سے قبل تمام ابتدائی کارروائی مکمل ہو جائے ۔ آپ نے اپنی بیاض میں اس کارروائی کو مندرجہ ذیل الفاظ میں قلم بند کیا ہے :

"۱۹ اگست ۱۹۳۵ء — پرسوں سردار محمد خان صاحب سے تبادلۂ خیالات ہوا اور اسی روز (محمد شریف) بٹنی صاحب اور ابوالخیر (عبداللہ) صاحب سے گفتگو ہوئی ۔ احباب کا خیال تھا کہ سر اقبال کے زیر قیادت جماعت کا قیام فی الفور شروع کر دیا جائے ۔ ادھر آج سردار محمد اور (مولوی خدا بخش) ارمان صاحب کی معیت میں حضرت مولانا (احمد علی صاحب) سے تبادلۂ خیالات کیا اور جلد از جلد دوسرا سلسلہ قائم کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا گیا ۔ اس سلسلے میں تجویز ہوئی کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کی طرف سے ایک دو آدمی مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی خدمت میں حاضر ہوکر تجویز پیش کریں اور درخواست کریں کہ وہ اس سلسلے کی امارت قبول فرما لیں اور صوبہ دار نائب امیر مقرر فرما دیں ۔ دوسری طرف آئندہ چہار شنبہ کے روز میرے مکان پر اجتماع ہوگا اور علامہ سر محمد اقبال کے عقیدت مندوں کو اپنی تنظیم پر آمادہ کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ علامہ کی بھوپال سے واپسی تک تمام کام تیار ہو جائے ۔"[2]

ارکان کے تفصیلی غور و خوض کے بعد آخر انجمن کے قواعد و ضوابط تیار کیے گئے ۔ اس کا نام انجمن شبان المسلمین رکھا گیا اور اس کے

یومِ تاسیس ۲۱ اگست ۱۹۳۵ء کو مندرجہ ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔

انجمن کا نام	جمعیۃ شبان المسلمین
یوم تاسیس	۲۱ اگست ۱۹۳۵ء
صدر	علامہ اقبال
پروویژنل سکرٹری	نجم الثاقب
خزانچی	بدرالدین بدر

اس جلسے میں سید نذیر نیازی، مولانا ابوالخیر عبداللہ، ڈاکٹر عبدالغنی، ڈاکٹر عبدالحمید ملک، ثاقب، افضل، عبدالرشید طارق، محمد شریف بنی، خواجہ غلام دستگیر اور مولوی خدا بخش ارمان نے شرکت کی تھی۔ خواجہ عبدالوحید صاحب نے اس دن کے جلسے کی کارروائی کو اپنی بیاض میں مندرجہ ذیل الفاظ میں قلم بند کیا ہے:

"۲۱ اگست ۱۹۳۵ء — آج ہمارے ہاں مجوزہ جمعیۃ شبان المسلمین کے ہمدردوں کا جلسہ ہوا، جس میں جمعیۃ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ لیز ارکان نے تحریری طور پر اطاعتِ امیر کا عہد کیا اور جمعیۃ کی امارت کے لیے علامہ سر محمد اقبال کا اسم گرامی تجویز ہوا۔ پروویژنل سکرٹری کا کام ثاقب صاحب کے سپرد ہوا اور خزانچی (بدرالدین) بدر صاحب مقرر ہوئے۔ آج ہمارے ہاں کا اجلاس بہت کامیاب رہا غیرمعمولی رونق اور نذیرنیازی صاحب نے گفتگو کو بہت پر لطف بنا دیا۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالغنی بھٹی، ڈاکٹر عبدالحمید ملک، ثاقب صاحب، افضل صاحب، (بدر الدین) بدر صاحب، (عبدالرشید) طارق صاحب، ابوالخیر (عبداللہ) صاحب، (محمد شریف) بنی صاحب، خواجہ غلام دستگیر صاحب اور (مولوی خدا بخش) ارمان صاحب بھی تھے۔"[۳]

جمعیۃ شبان المسلمین کا نصب العین ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج اور اقبال تھا - اس عظیم اور اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ارکان کی تعداد میں اضافہ بے حد ضروری تھا چنانچہ سارے ملک میں رکن سازی کی مہم کو شروع کرنے کے لیے باقاعدہ فارم طبع کرائے گئے - فارم کی نقل درج ذیل ہے :

"۱ - ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و اقبال کے حصول کے لیے جو جماعت قائم کی گئی ہے ، میں اس کا رکن بننے کے لیے تیار ہوں اور اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ امیر کی اطاعت قرآن و سنت کے مطابق بہرحال اور ہر وقت بلا چون و چرا کروں گا -

۲ - میں متمنی ہوں کہ اس جماعت کی امارت علامہ سر محمد اقبال مدظلہ، کے دست مبارک میں ہو -

نام . . . . . پتا . . . . . دستخط . . . . ."[۴]

جمعیۃ شبان المسلمین باوجود ترقی نہ کر سکی ، چنانچہ اس کا آخری جلسہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء کو خواجہ عبدالوحید کے گھر پر منعقد ہوا - اس اہم جلسے میں راجہ حسن اختر ، پروفیسر منیرالدین ، نجم الثاقب ، محمد شریف بنی ، ڈاکٹر عبدالغنی بھٹی اور مولانا ابوالخیر عبداللہ نے شرکت کی - اس اجلاس میں انجمن کے مقاصد پر مفصل بحث کے بعد یہ بات علم میں آئی کہ لوگ جمعیۃ کے اغراض و مقاصد پر کلی طور پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتے بلکہ وہ اس جمعیۃ کی صرف ایک شق یعنی حضرت علامہ کے نظریات کی تشہیر چاہتے تھے - اس کے لیے وہ ایک دارالمطالعہ قائم کرنا چاہتے تھے - اس طرح کے باہمی اختلافات کی بنا پر جمعیۃ نشو و نما نہ پا سکی - خواجہ عبدالوحید نے اس جلسے کی کارروائی کو اپنی بیاض میں ان الفاظ میں رقم کیا ہے :

"۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء - آج میرے مکان پر معتقدین اقبال کا اجتماع ہوا ، جس میں راجہ حسن اختر صاحب اور پروفیسر منیرالدین کے علاوہ ثاقب صاحب (محمد شریف) بنی صاحب ، ابوالخیر (عبداللہ) ،

ڈاکٹر (عبدالغنی) بھٹی صاحب بھی شریک ہوئے اور ظاہر ہوا کہ لوگ اصل تجویز دربارہ جمعیۃ شبان المسلمین پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں۔ وہ سب محض اس بات کے حامی تھے کہ ایک دارالمطالعہ قائم کیا جائے، جہاں اقبال کی کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تعلیمات کی نشر و اشاعت ہوا کرے۔ چنانچہ اس پر یہ اجلاس ختم ہو گیا۔"

جمعیۃ کی ابتدا سے اس کی انتہا تک مولانا ابوالخیر عبداللہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ وہ معتقد اقبال تھے۔ اس کے علاوہ مولانا مختلف اوقات میں علامہ کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ ان جملہ علمی، ادبی، مذہبی اور تعلیمی مجلسوں میں شریک رہے تھے جن میں علامہ اقبال موجود ہوتے تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ایک علمی محفل کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۹۲۷ء میں سید سلیمان ندوی انجمن حمایتِ اسلام کے ۴۲ ویں سالانہ جلسے کی تقریبات میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ یہ جلسہ ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ اپریل ۱۹۲۷ء کو اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی وسیع گراؤنڈ میں منعقد ہوا تھا۔ سید صاحب کا پنجاب میں یہ پہلا دورہ تھا۔ اس لیے لاہور کے مختلف علمی اور ادبی حلقوں میں ان کے شایانِ شان پذیرائی کی گئی۔ سید صاحب نے مولانا ظفر علی خان کے ہاں دفتر "زمیندار" میں قیام کیا تھا اور اسی دفتر میں ۱۵ اپریل ۱۹۲۷ء کو علامہ اقبال کی پہلی مرتبہ سید صاحب سے بالمشافہ ملاقات ہوئی۔

سید صاحب کے اعزاز میں بہت سی پر تکلف اور شاندار دعوتیں دی گئیں۔ ان مجالس میں انواع و اقسام کے کھانوں کے علاوہ مذہبی، علمی اور ادبی مسائل پر بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے ایک دعوتِ طعام کا ذکر کیا ہے جو پروفیسر خواجہ محمد سلیم، شعبہ انگریزی، لاہور گورنمنٹ کالج، نے اپنے گھر پر سید صاحب کے اعزاز میں دی تھی۔ اس میں ملک کی نامور ادبی، مذہبی، سیاسی اور تعلیمی شخصیات مدعو تھیں۔ اس دعوت میں مولانا ابوالخیر عبداللہ بھی شریک تھے۔

"۱۔ قبلہ سید صاحب (سید سلیمان ندوی) کو خواجہ محمد سلیم نے اپنے مکان واقع کوٹھی داراں کشمیری بازار پرانی کوتوالی کے قریب میں دعوتِ طعام دی۔ جس کی تاریخ ۱۷ اپریل (۱۹۲۷ء) اتوار کے دن طے ہوئی۔ اس دعوت میں خاص طور پر سید صاحب کو چند علمی مخطوطات سے روشناس کرانا مقصود تھا جو خواجہ محمد سلیم (حال پروفیسر لسان انگریزی، گورنمنٹ کالج لاہور) کے مجموعہ علمی نوادرات میں تھے۔ یہ دعوت کئی حیثیتوں سے لاہور میں ایک یادگار دعوت ہے۔ اس دعوت میں ذیل کے حضرات شامل تھے۔

پروفیسر شیرانی صاحب مرحوم، پروفیسر اقبال مرحوم، سید طلحہ صاحب، خواجہ عبدالوحید، ملک عنایت اللہ، ملک محمد امین ایڈووکیٹ، ملک لطیف (حال اسٹیشن ماسٹر لاہور)، مولانا ظفر علی خان، چودھری محمد حسین، سید عبداللہ (ڈاکٹر سید محمد عبداللہ سابق پرنسپل اورینٹیل کالج)، ابوالخیر عبداللہ، مسٹر بشیر بمبئی بوٹ ہاؤس ڈبی بازار، ملک لال دین قیصر، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، بابو عبدالماجد صاحب، علامہ سر محمد اقبال، سید سلیمان ندوی، شیخ عبدالرشید اور سید واحد شاہ ایڈووکیٹ۔"[۶]

سید سلیمان ندوی نے خواجہ محمد سلیم کے ہاں کی دعوت کے بارے میں یوں لکھا ہے۔ مگر وہ خواجہ صاحب کا نام محمد سلیم الدین لکھ گئے ہیں:

"خواجہ سلیم الدین صاحب نے ممتاز اہل علم اور نوجوان دل دادگانِ فن کو اپنے "خوانِ نعمت" پر جمع کیا اور ایک غریب الدیار کی عزت بڑھائی۔"[۷]

مولانا ابوالخیر عبداللہ عاشقِ اقبال تھے آپ علامہ اقبال کی تعلیمات اور فلسفے کے زبردست حامی تھے۔ علامہ کی ذات میں مولانا کو عظیم عاشق رسولؐ کے علاوہ نجات دہندہ انسانیت نظر آتا تھا۔ یہاں

مولانا ابوالخیر عبداللہ کا مختصر سوانحی خاکہ یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ مولانا کی شخصیت میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جن کو علامہ اقبال ایک مردِ مومن کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ مولانا توکل، استغنا اور عشقِ رسول ؐ کی مجسم تصویر تھے۔

مولانا کا نام محمد عبداللہ تھا۔ مگر بعد میں آپ نے اپنے نام کے شروع میں اپنی کنیت ابوالخیر کا اضافہ کر لیا تھا اس طرح ان کا پورا نام "ابوالخیر محمد عبداللہ" ہو گیا۔ لیکن عام طور پر وہ "ابوالخیر عبداللہ" ہی لکھا کرتے تھے۔ کالج میں تمام احباب ان کو صرف "مولانا" کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔

آپ ۱۶ جولائی ۱۹۰۲ء کو خلیفہ سعادت الدین کے ہاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بہت متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔ آپ کا گھرانا مذہبی تھا۔ اس ماحول میں پرورش پاکر مولانا نے سکول کی تعلیم سے فراغت پائی اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ آفس ریلوے میں تقریباً دس سال تک ملازمت کرتے رہے۔ اسی ملازمت کے دوران ۱۹۳۶ء میں ایم اے فارسی کا امتحان پاس کیا۔ علم و ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ دفتری فائلوں میں طبیعت اچاٹ رہتی تھی، چنانچہ ریلوے کی ملازمت چھوڑ کر مختصر عرصے کے لیے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں زبان و ادبیات فارسی کے استاد مقرر ہوئے مگر گھریلو مجبوریوں اور ذمہ داریوں کے سبب لاہور سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے مارچ / اپریل ۱۹۴۷ء کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اردو اور پنجابی مخطوطات کی فہرست سازی کی اہم خدمت قبول کی اور دسمبر ۱۹۵۷ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ یہ سلسلہ ان کے علمی اور ادبی مزاج کے عین مطابق تھا۔ اس لیے نہایت حسن و خوبی سے جاری رہا۔ ۷ دسمبر ۱۹۵۷ء کو وہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں شعبہ فارسی سے منسلک ہوگئے اور یونیورسٹی لائبریری میں مخطوطات کی فہرست سازی سے مستعفی ہوگئے۔ ۱۹۵۸ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اسلامیہ کالج سول لائنز کو جو کہ پہلے ایک ہی پرنسپل کے ماتحت، ایک ہی کالج متصور ہوتا تھا، دو الگ الگ

کالجوں کی حیثیت دے دی گئی تو اسلامیہ کالج سول لائنز کے پہلے پرنسپل، علم و ادب کے گوہر شناس پروفیسر حمید احمد خاں (۱۹۰۳ - ۱۹۷۴ء) مقرر ہوئے۔ پروفیسر حمید احمد خان نے اس کالج کو ماڈل کالج بنانے کے لیے علم و ادب کے بڑے بڑے اساتذہ کو یہاں جمع کر لیا۔ چنانچہ وہ مولانا کو ریلوے روڈ سے اس کالج میں لے آئے۔ ۲۸ مئی ۱۹۶۹ء تک مولانا جالفشانی سے علم و ادب کے موتی اپنے طلبا پر نچھاور کرتے رہے۔ لاہور کی زمین سے اٹھنے والا یہ خمیر تقریباً چونسٹھ سال کی جد و جہد سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد پھر اسی خاک میں پیوند ہو گیا۔

درمیانہ قد، دوہرا جثہ، وضع دار اور مرنجان مرنج اور چہرے پر مستقل مسکراہٹ کا نام ابوالخیر عبداللہ تھا۔ جس زمانے میں آپ اقبال کے پاس جاتے تھے، اس وقت تیس بتیس سال کے تنومند اور پرجوش جوان ہوں گے۔ مگر جب میں نے ان کو دیکھا اس وقت ان کے ہاتھ اور پاؤں میں رعشہ تھا۔ کمزور مگر بلند حوصلہ تھے۔ حرفِ شکایت سے ان کی زبان نا آشنا تھی۔ سادہ مگر بے داغ لباس زیب تن کرتے تھے۔ کیا مجال لباس پر کوئی دھبہ ہو۔ ان کے صاف شفاف کپڑوں کی مالفد ان کا دل بھی اجلا اور صاف تھا۔ سب کا احترام کرتے تھے۔ اس لیے سب کے محترم تھے۔

زبان و ادبیات فارسی اور اردو کے عالم تھے۔ مگر ریا کاری اور منافقت کے معنی سے آگاہ نہ تھے۔ نیکی اور راستی، خوش خصالی اور خوش طبعی ان کی شخصیت کا حصہ تھیں۔ کم آمیز اور کم سخن تھے مگر مردم بیزار نہ تھے۔ آپ کی ذات بے شمار صفات جمیلہ اور اوصاف حمیدہ سے مزین تھی۔

نہایت مہربان، ہمدرد، خلیق، ملنسار اور مشفق استاد تھے۔ طلبا کی راہنمائی اور ان کے تعلیمی مسائل کے حل کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے، پابندی وقت میں یگانہ تھے۔ کلاس میں مقررہ وقت پر پہنچ کر سبق کا آغاز کرنا، سبق کو لفظاً لفظاً پڑھانا۔ نظم و نثر کے صوری اور معنوی

محاسن و عیوب بیان کرنا ، ان کی شخصیت کا جزو بن چکا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ شہر لاہور میں فارسی کے قدیم اسلوب تدریس میں بے مثال تھے ۔

مولانا نے زندگی کے مصائب اور مسائل کا مقابلہ جوان مردی ، ثابت قدمی اور استقلال سے کیا ۔ آپ کی رفیقہ حیات تین بچیوں اور دو بچوں کو کم سنی میں ان کے حوالے کر کے خود مالک حقیقی کے پاس چلی گئیں ۔ لیکن مولانا ان بچوں کے لیے باپ کا سایہ اور ماں کی ممتا کی مکمل تصویر بن گئے ۔ اس مصیبت میں راضی برضا تھے ۔ اس دور میں ان کی رشتے کی ایک بہن ان کی حقیقی مددگار ثابت ہوئیں ، جنھوں نے بچوں کی پرورش ، تعلیم و تربیت اور ان کے شادی بیاہ میں مولانا کا ساتھ دیا ۔

مولانا کی شخصیت توکل کی عمدہ اور مکمل تصویر تھی ۔ دو چھوٹی بچیوں کی شادی کی تاریخ تک طے ہو چکی تھی مگر گھر میں شادی کا سامان اور جہیز تام کی کوئی چیز موجود نہ تھی ۔ ان کی بہن روز تقاضا کرتیں کہ ان بے ماں بچیوں کی باعزت رخصتی کے لیے پیسوں کا بندوبست کرو مگر وہ صبر و رضا اور توکل کے پتلے ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ ضرور انتظام کر دے گا ۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں ۔ اہل خانہ بے قرار اور فکر مند مگر مولانا پرسکون اور مطمئن تھے ، حتیٰ کہ ایک دن مولانا کا ایک حبیب صدیق ان کی ملاقات کو آیا اور دوران گفتگو ذکر کیا کہ ایک سو روپے ماہوار سے دس ہزار روپے کی ایک کمیٹی شروع کر رہا ہوں ۔ مولانا نے ان سے اپنی ضرورت کا اظہار کیا اور اس نے مولانا کو پہلی کمیٹی دے دی ۔ اس طرح اس دس ہزار روپے کی رقم سے وہ اپنے فرض سے بخیر و خوبی سرخرو ہوئے ۔ خدائے بزرگ و برتر اپنے بندوں کو نا امید نہیں کرتا ۔

مولانا سراپا شرافت اور پیکر دیانت تھے ۔ دنیا کے زر و مال سے بے نیاز ، صدق و صفا کا نمونہ تھے ساری زندگی کرایہ کے مکان میں رہے ۔ یہ گھر ایک سکھ ڈاکٹر سنت سنگھ کی ملکیت تھا ۔ ڈاکٹر سنت سنگھ اندرون شاہ عالمی دروازہ (حال شاہ عالم مارکیٹ) میں پریکٹس کرتا تھا ۔۔۔

۱۹۴۷ء فسادات کا زمانہ تھا ، پاکستان ابھی وجود میں نہیں آیا تھا ۔ قتل وغارت کا بازار گرم تھا ۔ کوئی مسلمان الدرون شاہ عالمی دروازہ جانے کی ہمت نہیں کرتا تھا مگر مولانا اس زمانے میں بھی باقاعدگی سے ہر ماہ اپنے مالک مکان کو اس کی دکان پر کرایہ پہنچانے جایا کرتے تھے ۔ پاکستان بن چکا تھا ۔ ڈاکٹر سنت سنگھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیش کش کی کہ یہ مکان آپ مجھ سے اپنے نام لکھوا لیں ۔ مولانا نے اس تجویز کو مسترد کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ بددیانتی تھی ۔ پھر ایک دور بحالیات کا تھا کہ کیسے کیسے لوگ کیا کیا بن گئے ۔ مگر مولانا نے پھر بھی یہ گھر اپنے نام منتقل نہیں کرایا حالانکہ واجب الادا کرایہ ایک ہزار روپے تھا اور اس کی کل قیمت آسان قسطوں میں ادا کی جا سکتی تھی ۔ مولانا نے کبھی قرض نہیں لیا تھا ۔ اس درویش منش کے پاس ایک ہزار روپے کہاں تھے اور نہ اس غیور نے کسی عزیز سے ایک ہزار روپے مستعار لینا پسند کیا ۔ نصف صدی تک اس گھر میں رہے نوجوانی سے موت تک مگر مکان کسی اور مسلمان دوست کے نام منتقل کروا دیا اور اس طرح خود ڈاکٹر سنت سنگھ سے اس مسلمان کے کرایہ دار بن گئے ۔ دیانت اور درویشی کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ۔ ان کے بڑے لڑکے ڈاکٹر محمد عبدہ ماجد اب بھی اس گھر میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہائش پذیر ہیں ۔

۱۹۵۰ء مولانا کے لیے خوشی لے کر نہ آیا ۔ اس سال ان کو اپنے نوجوان طالب علم بیٹے کی نعش کو کندھا دینا پڑا ۔ محمد شعیب میٹرک کا ہونہار طالب علم تھا کہ اللہ کو پیارا ہوا ۔ مولانا اس صدمۂ جانکاہ سے شدید افسردہ دل ہو گئے ۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش تھے ۔ اپنی زندگی میں ہی تمام ذمہ داریوں سے سرخرو ہو چکے تھے ۔

یونیورسٹی لائبریری میں جناب ڈاکٹر سید عبداللہ کی زیر نگرانی مخطوطات کی فہرست سازی کا شعبہ کام کر رہا تھا ۔ مولانا اپریل ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۱۹۵۷ء تک اسی شعبے سے منسلک رہے ۔ آپ نے اس عرصے میں شیرانی ، آزاد ، گیبی ، پیرزادہ اور جنرل کولیکشن کے تقریباً اڑھائی ہزار مخطوطات کی توضیحی فہرست مرتب کی ۔ بادامی رنگ کے

کاغذ پر مرتب شدہ یہ فہرست یونیورسٹی لائبریری میں ''ابوالخیر عبداللہ کیٹلاگ'' کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ کیٹلاگ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے مگر ابھی تک غیر مطبوعہ ہے ۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سابق لائبریرین جناب عبدالرحیم نے ان مخطوطات کی فہرست سازی کی مختصر تاریخ ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔

''۳۱ جولائی — پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مخطوطات کا شعبہ ۱۹۲۰ء کو قائم ہوا ۔ نومبر ۱۹۴۱ء تک لائبریری میں ۲۴۷۱ (اس تعداد میں سنسکرت کے مخطوطات شامل نہیں) قلمی نسخے جمع کیے گئے ۔ مخطوطات کی فہرست نگاری کا کام ، مرحوم ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی نگرانی میں ، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے شروع کیا ۔ ان کی مرتبہ پہلی جلد یونیورسٹی نے ۱۹۴۲ء میں شائع کی ۔ جس میں تاریخ سے متعلق ۱۸۸ فارسی مخطوطات کی تفصیلات مندرج ہیں اور دوسری جلد ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی جو فارسی نظم کے ۱۱۷ مخطوطات کے بیان پر مشتمل ہے ۔ اس کے بعد فہرست نگاری کے کام پر مختلف اوقات میں مرحوم مولوی عبداللہ ابوالخیر ، جناب فضل اللہ فاروق ، جناب ذوالقرنین اور مولوی رشید احمد مامور رہے'' ۔

مولانا کی ذات اقبالیات کے سلسلے میں ایک بہترین دستاویز کی حیثیت رکھتی تھی ۔ افسوس انھوں نے اقبال سے اپنی ملاقاتوں اور صحبتوں کو قلم بند نہیں کیا ۔ کاش وہ ایسا کر گئے ہوتے [۶۵] ۔

حواشی

۱ ۔ اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید ۔ نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ ، ص ۳۹۹ ۔

۲ ۔ اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید ، نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ ، ص ۳۹۹ ۔ ۴۰۰ ۔

۳ - اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید ، نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ ، ص ۵۰۰ -

۴ - اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید ، نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ ، ص ۴۱۷ -

۵ ، اقبال کے حضور از خواجہ عبدالوحید ، نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ ، ص ۴۱۷ -

۶ - علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی از عبداللہ چغتائی (مطالعہ اقبال مرتبہ گوہر نوشاہی) ، ص ۷۷ -

۷ - اقبال ، سلیمان ندوی کی نظر میں ، اختر راہی ، ص ۲۲۹ -

اقبال اور مسینون

ہندوستان میں تحریک آزادی مختلف مراحل طے کرنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں نئے دستور میں تجاویز کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی ، تو یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ ہند کی تمام سیاسی جماعتوں بالخصوص مسلم لیگ اور کانگرس کے نقطہ نگاہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اس ذہنی اور اصولی خلیج کو پاٹنے کے لیے برطانیہ نے لندن میں گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا تا کہ آئینی مسائل کا متفقہ حل تلاش کیا جا سکے ۔

پہلی گول میز کانفرنس نومبر ۱۹۳۰ء سے ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء تک جاری رہی ۔ اس کا افتتاح جارج پنجم شاہ برطانیہ نے لندن میں کیا ۔ اس کانفرنس میں علامہ اقبال کو شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی ۔ دوسری گول میز کانفرنس ۷ ستمبر ۱۹۳۱ء سے شروع ہو کر یکم دسمبر ۱۹۳۱ء تک منعقد ہوتی رہی ۔ تیسری گول میز کانفرنس کا اجلاس ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء سے ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء تک جاری رہا ۔ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ کو شرکت کی دعوت دی گئی اور آپ ان دونوں کانفرنسوں میں شریک ہوئے ۔

تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جب علامہ انگلستان کو روانہ ہوئے تو سید امجد علی ان کے رفیق سفر تھے ۔ سید فقیر وحیدالدین رقم طراز ہیں :

"۱۹۳۲ء کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جاتے ہوئے جب ڈاکٹر صاحب کا جہاز بندرگاہ "وینس" پر لنگرانداز ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے سید امجد علی سے جو ان کے رفیق سفر تھے ،

فرمایا کہ یہاں سے لندن ٹرین میں چلیں گے اور راستے میں دو تین دن پیرس میں ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہ دونوں وینس سے ٹرین میں سوار ہو کر پیرس پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر انہیں خوش آمدید کہنے کے لیے امراؤ سنگھ مجیٹھیا موجود تھے"۔ — پیرس پہنچتے ہی ڈاکٹر صاحب نے امراؤ سنگھ مجیٹھیا سے کہا کہ مجھے پیرس میں پہلے نپولین کی قبر پر جانا ہے۔ پھر مشہور ریسرچ اسکالر مسیگ نون (مسینون) سے ملاقات کرنی ہے اور تیسرا کام یہ ہے کہ میں فرانس کے شہرہ آفاق فلسفی پروفیسر برگسان سے ملنا چاہتا ہوں'"۔

امراؤ سنگھ مستقل طور پر پیرس میں مقیم تھے۔ انھوں نے شاعر اور صحافی کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی تھی، اس نے ان کو بہت سی علمی شخصیتوں کے قریب کر دیا تھا۔ برگساں اور مسینون بھی ان شخصیتوں میں تھے، جن تک امراؤ سنگھ کی رسائی تھی۔

مسینون کے ساتھ ملاقات کے وقت سید امجد علی کے علاوہ امراؤ سنگھ بھی یقیناً موجود ہوں گے، کیونکہ پیرس پہنچتے ہی علامہ نے ان سے یہ فرمائش کی تھی۔ علامہ نے "جاوید نامہ" مسینون کو تحفتاً ارسال کیا۔ امراؤ سنگھ علامہ کے مداح تھے۔ ان پر مضامین لکھ چکے تھے۔ ان کے اشعار کا ترجمہ انگریزی میں کر چکے تھے اور ان کے دوست تھے۔
علامہ نے عطیہ فیضی کے نام ایک خط ۷ جولائی ۱۹۱۱ء کو لکھا:

"میں نے اپنے دوست سردار امراؤ سنگھ صاحب کو (جنھیں امید ہے آپ جانتی ہوں گی) لکھا ہے کہ مجھے ان اشعار کا انگریزی ترجمہ بھجیں ۲"۔

جب علامہ پیرس میں تھے تو اتفاق سے برگساں وہاں موجود نہیں تھا۔ اس وجہ سے برگسان سے تو ملاقات نہ ہو سکی۔ چنانچہ وہ نپولین کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ وہ مسینون سے ان کے گھر پر ملے۔ یہ ملاقات ۱۳ نومبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی، جس کا ذکر خود مسینون نے بھی کیا ہے۔ اس ملاقات سے علامہ نے اسلام، مطالعہ اسلام اور

اہل مغرب کا مذہب اسلام سے تعصب جیسے اہم موضوعات پر بحث کی۔ اس علمی بحث کے متعلق سید وحید الدین لکھتے ہیں :

''مشہور اسکالر میسگ نون سے ملاقات کے وقت سید امجد علی، ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے میسگ نون سے دریافت کیا کہ مغرب کے مورخین کو اسلام سے جو تعصب و عناد ہے، وہ وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو رہا ہے اور اسلام کی صداقت و حقیقت ان پر آشکار اور واضح ہوتی جا رہی ہے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟ فرانسیسی عالم نے جواب دیا کہ یہ بات درست ہے کہ اب مغربی مورخین نسبتاً غیر جانب دارانہ نقطہ نگاہ سے اسلامی تحریکوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔ میسگ نون نے یہ بھی کہا کہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یورپ پر مسلمانوں کے عظیم احسانات ہیں۔ انھوں نے تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا اور تعلیم و معاشرت کے بہت سے شعبوں میں مغرب کی ترقی کے لیے نئے نئے مواقع عطا کیے — میسگ نون سے ڈاکٹر صاحب کی ملاقات بہت دیر تک رہی اور ان دونوں عالموں کے درمیان اہم تبادلہ خیال ہوتا رہا[۳]''۔

حضرت علامہ مسینوں کی معروف تحقیقی کاوش ''کتاب الطواسین'' کے مطالعہ کے بعد ان کے زیادہ قریب ہوئے۔ ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء کو آپ نے حافظ اسلم جے راج پوری کے نام ایک خط میں لکھا :

''منصور حلاج کا رسالہ ''کتاب الطواسین'' جس کا ذکر ابن حزم کی ''فہرست'' میں ہے فرانس میں شائع ہو گیا ہے۔ مؤلف (مسینون) نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان منصور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصور کے متعلق لکھا ہے، اس

کی اس رسالے سے پوری تائید ہوتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ غیر صوفیا قریباً سب کے سب منصور سے بیزار تھے۔ معلوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہو گئے؟''۔

اس خط میں علامہ ممدوح نے مسینون کی اس محنت اور علمی تبحر کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے ''کتاب الطواسین'' کو مفید اور پر مغز حواشی سے آراستہ کر کے شائع کیا ہے۔

۱۷ مئی ۱۹۱۹ء کو آپ کتاب الطواسین کے بارے میں حافظ صاحب کو یہ لکھتے ہیں مگر اپنے معروف خطبات میں خودی کی بحث کرتے ہوئے منصور حلاج کا ذکر کرتے ہیں اور جب سید نذیر نیازی ان خطبات کا ترجمہ کر رہے ہوتے ہیں تو تیسرے خطبے ''ذات الہیہ کا تصور اور حقیقت دعا'' کے ترجمے کے سلسلے میں ان کو کتاب الطواسین کا مطالعہ کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جس کی تفصیل سید نذیر نیازی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے:

''ایک روز تیسرے خطبے کے سلسلے میں جہاں خودی کی بحث آئی ہے، حلاج کا ذکر آ گیا اور حضرت علامہ نے بعض مسائل کی تشریح کرتے ہوئے اس صوفی مصلوب و مظلوم کی کتاب الطواسین کا حوالہ بھی دیا جس کی شہادت نے ''دار اور جز'' اور ''راز اور وعظ'' ایسے الفاظ میں ایک جہان معنی پیدا کر دیے ہیں اور پھر ارشاد ہوا کہ مجھے خود بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا یونیورسٹی لائبریری میں تو شاید اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں، فرمایا ''کیا مضائقہ ہے، میرا ذاتی نسخہ لے جاؤ اور بہ غور اس کا مطالعہ کرو''۔

''لیکن ۳۱ جولائی ۱۹۳۰ء کی شام کو جب میں لاہور سے دہلی روانہ ہوا اور حضرت علامہ سے اجازت طلب کی تو فرمایا کتاب الطواسین کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا، اسماعیل صاحب آج ہی بغرض استفادہ لے گئے ہیں، صبح آپ کی خدمت میں پہنچا دیں گے۔

حضرت علامہ نے فرمایا بہتر لیکن میں نے دیکھا کہ ''بہتر کہتے ہوئے ان کا چہرہ کچھ متغیر سا ہوگیا ۔ جس پر مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ حضرت علامہ سے اجازت لیے بغیر مجھے کتاب اسماعیل کو نہیں دینا چاہیے تھی ۔ میں اس وقت بڑی مشکل میں تھا ۔ میرا دہلی جانا ضروری تھا اور اسماعیل صاحب سے ملنے کی کوئی صورت نہیں تھی، لہٰذا میرے لیے بجز خاموشی کوئی چارہ نہیں تھا ۔ خجالت آمیز خاموشی جس کو شاید حضرت علامہ نے بھی محسوس کیا تھا ۔ بہرحال اگلے روز دہلی پہنچ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے عزیز دوست سید سلامت اللہ شاہ سے بذریعہ تار درخواست کی کہ اسماعیل صاحب سے ملیں اور کتاب اگر حضرت علامہ کی خدمت میں نہیں پہنچی تو فوراً پہنچا دیں ۔ لاہور سے روانہ ہوتے ہوئے بھی میں یہی بات تاکیداً ان سے کہہ آیا تھا مگر خلاف توقع انہوں نے میرے تار کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ اب میں بڑا پریشان تھا ، سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں ۔ مارے خجالت کے حضرت علامہ کی خدمت میں کچھ لکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی ۔ پھر جب تیسرے روز شاہ صاحب کا خط آیا کہ اسماعیل صاحب تو لکھنو میں ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ کا ایک عتاب نامہ بھی ملا تو میرے اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ یہ عتاب نامہ خلاف معمول انگریزی میں تھا ، جس سے میں نے اندازہ کیا کہ مسائل فلسفہ یا زیادہ گہری علمی گفتگو کی طرح حضرت علامہ خفگی کا اظہار بھی انگریزی ہی میں کرتے ہیں ۔ آخر مجبور ہوکر یہی سمجھ میں آیا کہ اس بے بسی میں ایک خط تو سید سلامت اللہ کو اور ایک لکھنؤ میں اسماعیل صاحب کو لکھوں ۔ پیارے ان کا جواب آیا کہ کتاب حضرت علامہ کی خدمت میں پہنچ گئی اور میری پریشانی دور ہوئی ، لیکن حضرت علامہ خاموش تھے لہٰذا مصلحتاً میں بھی خاموش رہا ۔ آخر خدا خدا کرکے ۱۵ اگست کو ایک گرامی نامہ موصول ہوا ۔

ڈیر لیازی صاحب ۔ السلام علیکم !

آپ کا خط مل گیا ہے ۔ کتاب الطواسین بذریعہ ڈاک لکھنؤ سے آ گئی ہے ۔ جلسہ ایک ملتوی ہو گیا ہے ۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ہوگا ، غالباً لکھنؤ میں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور جگہ ہو لکھنؤ پنجاب والوں کے لیے ذرا دور ہے ۔ بہت سے لوگ جانے کو تیار تھے مگر اخراجات سے گھبراتے تھے ۔ عابد حسین صاحب سے کہہ دیجیے کہ مناسب ترمیم کے بعد بل بھجوا دیں ۔ میں روپیہ بھجوا دوں گا ۔

مورق صاحب سے ضرور مل لیجیے ۔ وہ آپ کو تراجم کے متعلق (بالخصوص اصطلاحات تراجم کے متعلق) بہت مفید مشورہ دیں گے ۔ عابد صاحب سے یہ بھی پوچھیے کہ فاؤسٹ میں Prolegomrena in Heaven کا کیا اردو ترجمہ انھوں نے کیا ہے؟ ۔ والسلام

محمد اقبال

مسینون نے ابن حلاج کے متعلق مفصل تحقیق کی ہے ۔ کتاب الطواسین ابن حلاج کی گفتار کا مجموعہ ہے ۔ یہ مجموعہ گفتار عربی اور فارسی دو زبانوں میں ہے ۔ کتاب الطواسین اقبال کی عزیز ترین کتب میں سے تھی ۔ مسینون نے ۱۹۱۳ء میں پیرس سے اس کو شائع کرایا تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ ابن حلاج کی عارفانہ گفتگو چند مقامات پر ناقابل فہم ہے ۔ ان دو تین مقامات کے علاوہ باقی سب باتیں معنی خیز اور گہری ہیں ۔ اس کتاب پر غور کرنے سے ابن حلاج کی زبردست شخصیت سامنے آتی ہے ۔

لفظ طواسین ، طاسین کی جمع ہے ۔ یہ قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے ۔ ابن حلاج نے اسی لیے اپنی کتاب کا نام کتاب الطواسین رکھا کہ اس میں اسرار و رموز اور تصوف کے راز جمع کیے گئے تھے ۔
کتاب الطواسین مندرجہ ذیل گیارہ طاسین پر مشتمل ہے :

۱ - طاسین معراج محمدی -

۲ - طاسین فہم -

۳ - طاسین صفا -

۴ - طاسین دائرہ -

۵ - طاسین نقطہ -

۶ - طاسین ازل و التباس -

۷ - طاسین مشیت -

۸ - طاسین توحید -

۹ - طاسین اسرار توحید -

۱۰ - طاسین تنزیہہ -

۱۱ - طاسین بوستان معرفت -

۱۹۲۹ء میں مسینون نے ایک کتاب Recueil de Textes Indeits ایڈٹ کی - یہ کتاب فارسی اور عربی زبان میں ہے - مسینون نے وہ کتاب امراؤ سنگھ کو پیش کی تو امراؤ سنگھ نے اس لوٹ کے ساتھ وہ کتاب علامہ کی خدمت میں ارسال کی کہ یہ آپ کے لائق ہے ، میرے نہیں - اب یہ کتاب اسلامیہ کالج سول لائنز میں اقبال کو لیکشن کی زینت ہے - اس کتاب کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے -

اس کتاب کا موضوع تصوف اور تاریخ تصوف ہے جس میں مسینون نے حیات ، حیات بعد ممات ، روح اور حقیقت روح کے متعلق مختلف مسلمان صوفیا اور صوفی شعرا کے اقوال فارسی اور عربی میں جمع کیے ہیں- ان صوفی شعرا اور صوفیا کا مختصر سوانحی خاکہ بھی فرانسیسی زبان میں تحریر کیا ہے - یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے مسینون

نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے سیکشن میں پہلی صدی ہجری سے ۲۹۰ ہجری تک صوفیا کا کلام اور سوانحی خاکہ ہے۔ دوسرا سیکشن ۲۹۰ھ سے ۵۷۰ھ تک کے صوفیا کے کلام اور سوانحی خاکے سے مزین ہے۔ تیسرا سیکشن ۵۷۰ھ سے شروع ہو کر آخری دور تک آتا ہے اور چوتھا سیکشن مسلم صوفی فلسفیوں کے خیالات، فلسفہ اور ان کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر امراؤ سنگھ نے ایک آٹھ سطری عبارت بزبان انگریزی لکھ کر علامہ کو ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو پیرس سے ارسال کی۔

حضرت علامہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک مسیحیوں سے اپنا علمی اور ذاتی تعلق قائم رکھا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اس زمانے میں پیرس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت علامہ نے ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کو یعنی اپنی رحلت سے تقریباً ۸ ماہ پہلے عبداللہ چغتائی کو خط لکھا اور اس میں اس عظیم فرانسیسی مستشرق کے نام سلام بھیجا۔ خط کی نقل درج ذیل ہے۔

لاہور۔ ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء۔

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد اللہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ چغتائی صاحب سنا ہے کہ اب لاہور پہنچ گئے ہیں۔ لیکن مجھ سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کے ذہن میں جو تجویز ہے، اس کے معلوم ہونے پر رائے ظاہر کر سکوں گا۔

اٹالین رسالوں کے مضامین کا انگریزی ترجمہ بہت جلد ارسال کیجیے۔ بلکہ اصلی رسالے بھی ترجمہ کے ساتھ بھیج دیجیے۔ یہ دونوں رسالے محفوظ رکھے جائیں گے اور جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کو دے دیے جائیں گے یا اگر آپ چاہیں تو ان کو بذریعہ ڈاک آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے ۔ شیدائی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ سلام قبول کر لیں ۔ لاہور میں سخت گرمی ہے ۔ ساون کا مہینہ غیر معمولی طور پر خشک گزرا ہے ۔ آج کل پیرس میں خوب موسم ہوگا ۔ قادیان کے احمدیوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے اور خلیفہ قادیان پر ان کے باغی مریدوں کی ایک جماعت نے نہایت فحش الزام لگائے ہیں ۔ نقص امن کے احتمال سے وہاں کل سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا ہے ۔

سید راس مسعود وزیر معارف بھوپال دفعتاً اس جہان فانی سے انتقال فرما گئے ۔ خدائے تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے ۔ بڑے مخلص اور دردمند آدمی تھے ۔ پروفیسر Massignon سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے ان کی خدمت میں سلام عرض کیجیے ۔ والسلام

(اقبال[۶])

علامہ اقبال نے اس جہان فانی کو ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو خیر آباد کہا ۔ مسینون ۱۹۳۵ء میں ہندوستان آتے ہیں ۔ شاعر مشرق کی وفات کے تقریباً ساڑھے سات سال بعد وہ ۱۵ جون ۱۹۴۵ء میں ان کی آرام گاہ پر حاضری دیتے ہیں ۔ مسینون نے بھی اپنی زندگی کے آخری دنوں تک ان سے اپنا قلمی و روحانی رشتہ استوار رکھا ۔ مسینون نے ۱۹۶۲ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کیا ۔

ایوا میروچ (Eva Meyerovitch) نے فرانسیسی میں علامہ کی پیام مشرق اور جاوید نامہ کا ترجمہ کیا تو پیام مشرق کے ترجمے پر مسینون نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا ۔ یہ کتاب ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی تھی ۔ مسینون نے ابن عربی کے فلسفے اور نظریات پر ایک مستند کتاب لکھی ۔ انہوں نے مسلمانوں کے عہد سپین پر بھی کام کیا ۔ آپ کی کتاب الطواسین ۱۹۱۳ء میں اور اخبار حلاج ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی ۔

حواشی

۱ - روزگار فقیر جلد اول ، ص ۱۳۳ - ۱۳۴ - ایڈیشن ۱۹۶۶ء -

۲ - اقبال نامہ ، شیخ عطاء اللہ ، جلد دوم ، ص ۱۵۹ -

۳ - روزگارِ فقیر جلد اول ، ص ۱۳۵ ، ایڈیشن ۱۹۶۶ء -

۴ - اقبال نامہ ، جلد اول ، ص ۴۵ ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ -

۵ - مکتوبات اقبال مرتبہ نذیر نیازی ، ایڈیشن اکتوبر ۱۹۷۷ء ، ص ۲۶ - ۳۰ -

۶ - اقبال نامہ ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ ، جلد دوم ، ص ۳۴۶

علامہ اقبال اور بیرسٹر شیخ محمد اکرام

علامہ اقبالؒ کے ملکی اور غیر ملکی لاتعداد لوگوں سے علمی، ادبی اور دوستانہ تعلقات استوار تھے ۔ ان میں سے بعض حضرات کے حالات اور تعلقات پر تفصیلی مضامین موجود ہیں ۔ بہت سے ادبا اور شعرا ایسے بھی ہیں جن سے ان کے دوستانہ مراسم تھے ۔ وہ ان کے سفر و حضر کے ساتھی بھی رہے ۔ مگر وقت نے ان تعلقات پر پردے ڈال دئیے ۔ ان میں سے ایک بیرسٹر شیخ محمد اکرام نائب مدیر "مخزن" بھی تھے ۔ اس مختصر مضمون میں ان تعلقات کا ذکر مقصود ہے ، جو شیخ محمد اکرام اور شیخ محمد اقبال میں استوار تھے ۔

شیخ محمد اکرام ، شیخ عبدالقادر کے سفر و حضر کے ساتھی تھے ۔ ہم خیال اور ہم ذوق تھے ۔ علامہ اقبال اور سرعبدالقادر کے مابین قلب و روح کے تعلقات موجود تھے ۔ اسی لیے جو حضرات سرعبدالقادر کے نزدیک تھے ان کا علامہ اقبال کے حلقہ احباب میں شامل ہو جانا لازمی تھا ۔ شیخ محمد اکرام ، شیخ عبدالقادر کے عزیز دوست تھے ۔ وہ بھاٹی دروازے کی ادبی محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے ۔ اس لیے علامہ اقبال اور شیخ محمد اکرام میں بھی گہرے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے ۔ یہ ان دونوں کی جوانی کا زمانہ تھا ۔

۱۹۰۴ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اٹھارہواں اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا ۔ اس کی صدارت سرتھیوڈر ماریسن[1] نے کی اس کانفرنس میں پنجاب کی نمائندگی کے لیے شیخ محمد اکرام (۱۸۸۰ - ۲۱ مئی ۱۹۴۱ء) شیخ عبدالقادر (۱۸۶۴—۹ فروری ۱۹۵۰ء) علامہ اقبال

(۹ نومبر ۱۸۷۷ء — ۲ اپریل ۱۹۳۸ء) اور سید غلام محی الدین عرف میر غلام بھیک نیرنگ (۱۸۷۵ء — ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء) تشریف لے گئے۔

ضیاءالحسن علوی ندوی[۲] نے اہل پنجاب کی میر لکھنؤ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ سب تحریر کیا ہے ؟

''اس کانفرنس میں سب سے پہلا (پہلے) لاہور کے جتھے میں میر نیرنگ قبلہ سر محمد اقبال، شیخ محمد اکرام سے ملاقات ہوئی یہاں سر عبدالقادر بھی تھے مگر میں ان کو پہلے سے جانتا تھا۔ ان لوگوں کو لکھنؤ دیکھنے کا بہت شوق تھا مگر بات بات پر یہ ضرور کہتے تھے کہ دیکھیے اردو ہماری زبان نہیں ہے مگر ہم کو اردو پر کتنی قدرت ہے۔ وہ وقت ان لوگوں کے جوانی سے بھرے ہوئے جذبات کا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ادبی دنیا کو ہلا ڈالیں گے اور ایک حد تک سچ بھی کر دکھایا 'مخزن' کے مقابلے میں کسی رسالہ نے استقلال کے ساتھ اردو کی خدمت کی۔ مگر سرعبدالقادر جوانی میں بھی ایسے جوش کے اظہار سے ڈرتے تھے''[۳]۔

۱۹۰۴ء میں سرعبدالقادر بیرسٹری کے لیے انگلستان روانہ ہوئے۔ میر غلام بھیک نیرنگ (ستمبر ۱۸۷۶ — اکتوبر ۱۹۵۲ء) نے ان کی روانگی پر اپنے دلی جذبات ایک نظم میں سرعبدالقادر کی خدمت میں پیش کیے۔ سرعبدالقادر نے وہ نظم شیخ محمد اکرام کو مخزن میں طبع کرنے کے لیے روانہ کر دی اور علامہ اقبال کو خط لکھا جس میں شیخ محمد اکرام کا یوں ذکر کیا :

''ہاں چلتے وقت کی سنیئے۔ اس وقت جو صدمہ گھر سے رخصت ہونے اور دوستوں سے بچھڑنے کا تھا، اسے تو خیر ضبط کر لیا۔ مگر راستے میں میر صاحب (میر غلام بھیک نیرنگ ہی۔ اے وکیل انبالہ) نے ایک غزل کے چند اشعار جو یوں شروع ہوتی تھی سنائی۔

اللہ تیرا نگہبان، ہر دیس جانے والے
شیدائیوں سے اپنی آنکھیں چرانے والے

اس سے رقت طاری ہو گئی ۔ محمد اکرام (نائب مدیر مخزن) کو کہیے کہ یہ غزل جب آئے آپ کو دکھائے"۔

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ محمد اکرام اور علامہ اقبال کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں ۔

۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان گئے ۔ وہ ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو لاہور سے دلی پہنچے اور ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو دلی سے بمبئی روانہ ہوئے ۔ شیخ محمد اکرام لاہور سے اور میرلیرلنگ انبالہ سے انھیں الوداع کہنے دلی تک ساتھ گئے ۔ علامہ اقبال نے مختلف احباب کے نام اپنے خطوط میں شیخ محمد اکرام کا ذکر کیا ہے ۔ مولوی اللہ خان (۱۸۷۰ء—۱۹۲۸ء) مدیر "اخبار وطن" کے نام انھوں نے ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو عدن سے ایک خط ارسال کیا ۔ یہ خط "اخبار وطن" مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو شائع ہوا ۔ اس خط میں علامہ اقبال نے اپنے ریل کے سفر اور احباب کا ذکر کرتے ہوئے دو ناموں کا خصوصی ذکر کیا ہے ۔ لکھتے ہیں :

"۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو میرلیرلنگ اور شیخ محمد اکرام اور باقی دوستوں سے دہلی میں رخصت ہو کر بمبئی کو روانہ ہوا"[۵] ۔

۱۹۰۸ء میں علامہ اقبال بی ۔ ایچ ۔ ڈی اور بیرسٹری کی اعلیٰ ڈگریاں لے کر کامیاب وکامران وطن لوٹے تو شیخ محمد اکرام اور میرنیرنگ نے دیگر احباب کے ساتھ دلی ریلوے سٹیشن پر ان کا استقبال کیا ۔ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو درگاہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا پر حاضر ہونے والے احباب میں شیخ محمد اکرام ، شیخ عبدالقادر ، مولانا راشد الخیری ، خواجہ حسن نظامی اور سید جالب دہلوی قابل ذکر ہیں[۶] ۔

۱۹۰۵/۶ء میں خواجہ حسن نظامی ہندو فقیروں ، سادھوؤں جوگیوں اور ان کے متبرک تیرتھوں کی یاترا کے شوق میں متھرا ، بنارس،

بندرا بن ، گئے ہردوار اور جگن ناتھ گئے ۔ واپسی پر انھوں نے ایک رسالہ ''تیرتھ یاترا'' تحریر کیا ۔ اس سیر میں شیخ محمد اکرام اور میرنیرنگ ان کے ہمراہ تھے ۔ حسن نظامی نے علامہ اقبال کے نام اپنے خطوط میں اس ''یاترا'' کا ذکر کیا ۔

علامہ اقبال نے ۲۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو ایک خط خواجہ حسن نظامی کو لکھا ۔ اس میں انھوں نے شیخ محمد اکرام کا ذکر بھی کیا خط کی نقل پیش خدمت ہے ۔

۲۵ اپریل ۱۹۰۶ء ۔

سرمست صباح کو سلام ، متھرا ، ہردوار ، جگن ناتھ ، امرناتھ جی سب کی سیر کی مبارک ہو ۔ مگر بنارس جا کر لیلام ہو گئے ۔ کیوں ٹھیک ہے نا ، بلکہ ہمارے میر صاحب نیرنگ اور اکرام کو بھی ساتھ لے ڈوبے ۔

میرے پہلو میں ایک چھوٹا سا بت خانہ ہے کہ ہر بت اس صنم کدے کا رشک صنعت آذری ہے ۔ اس پرانے مکان کی کبھی سیر کی ہے ۔ خدا کی قسم بنارس کا بازار فراموش کر جاؤ ۔ میں تو ہر قدم پر آپ کو یاد آتا تھا ۔ کیوں نہ یاد آؤں ۔ آپ بھی ہم کو عموماً یاد آیا کرتے ہیں ۔ والسلام

آپکا محمد اقبال

اقبال کے ذاتی کتب خانۂ مخزونہ اسلامیہ کالج سول لائینز میں ایک کتاب بعنوان سائیکلوجی مصنفہ ولیم جیمز موجود ہے اس کتاب کے ٹائیٹل پیج پر شیخ محمد اکرام کے دستخط موجود ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات میں تبادلہ کتب بھی ہوا کرتا تھا ۔ یہ کتاب انھوں نے علامہ اقبال کو مطالعہ کے لیے دی ہوگی ۔ اب وہ اس ذخیرہ کا حصہ ہے ۔ ان واقعات سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ان دونوں میں بہت نزدیکی تعلقات موجود تھے ۔ کاش ان ملاقاتوں کی تفصیلات دستیاب ہو سکتیں ۔

بیرسٹر شیخ محمد اکرام کے مختصر حالات زندگی پیش خدمت ہیں ۔

شیخ محمد اکرام نائب مدیر ''مخزن'' مدیر ''عصمت'' انیس نسواں'' اور تمدن'' کے ابتدائی حالات پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں ۔ باوجود بہت کوشش کے ان کے ذاتی اور خاندانی حالات دستیاب نہیں ہو سکے ۔ مگر بہت سے شواہد اس امر کی دلالت کرتے ہیں کہ وہ لاہور کے رہنے والے تھے ۔ ان کی نوجوانی اور جوانی کا زمانہ لاہور کے گلی کوچوں میں گزرا لاہور کے جلسوں میں منعقد ہونے والی ادبی مجلسوں میں نظر آتے ہیں کیونکہ ۱۹ ویں صدی کے آخر ۲۰ ویں صدی کے آغاز میں بھاٹی دروازہ کا وہ علاقہ جو بازار حکیماں، موتی ٹبہ سے لے کر تحصیل بازار تک چلا گیا ہے ارباب علم ہنر اور روسائے شہر کا مرجع و مسکن تھا ۔ اس میں شاعر ادیب اور نامور وکیل جمع ہوتے ۔ بڑی رونق کی محفلیں جمتیں ، علم و ادب کے جوہر کھلتے تھے ۔ اسی مردم خیز شہر میں انھوں نے اپنے تعلیمی مدارج طے کیے ۔

شیخ محمد اکرام کا نام پڑھتے ہی ذہن فوراً ایس ۔ ایم اکرام (شیخ محمد اکرام ولد شیخ فضل کریم ۔ پیدائش ۲ ستمبر ۱۹۰۸ء چک جھمرہ وفات ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء لاہور) صاحب رود کوثر ، موج کوثر ، اور آب کوثر کی طرف منتقل ہوتا ہے مگر یہ دونوں حضرات الگ الگ شخصیت کے حامل تھے البتہ ان دو بزرگوں میں ایک گہرا تعلق بھی تھا وہ یہ کہ ایس ۔ ایم اکرام (صاحب رود کوثر) کے والد شیخ فضل کریم تعلیم یافتہ اور صاحب فکر انسان تھے ، محکمہ مال کے اہل کار تھے ۔ علم و ادب کے شیدائی تھے ، شیخ محمد اکرام نائب مدیر مخزن سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے ۔ وہ ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کے مداح تھے ۔ جب ۲ ستمبر ۱۹۰۸ء کو شیخ فضل کریم کے ہاں پہلوٹھی کا لڑکا پیدا ہوا تو انھوں نے شیخ محمد اکرام نائب مدیر مخزن سے اپنے دلی تعلق کے اظہار کے طور پر نومولود کا نام ان کے نام پر شیخ محمد اکرام رکھا ۔ پروفیسر حمید احمد خان تحریر کرتے ہیں :

''ان (ایس ۔ ایم ۔ اکرام) کے برادر کوچک شیخ محمد اقبال بیان

کرتے ہیں کہ ہمارے والد نے اپنے فرزند اکبر کا نام شیخ محمد اکرام اسسٹنٹ ایڈیٹر ''مخزن'' کے نام پر محمد اکرام رکھا۔ یہ نام بیٹے کے لیے گویا باپ کی ایک خواہش کا اظہار تھا۔[۸]

ایس۔ ایم۔ اکرام کی پیدائش کے وقت نائب مدیر مخزن شیخ محمد اکرام کی عمر تقریباً ۲۸ سال رہی ہوگی۔ اس دور میں علم و ادب کی بہت سی قدآور شخصیات زندہ تھیں۔

شیخ محمد اکرام کے والد کا نام شیخ فرزند علی تھا۔ مولانا رازق الخیری لکھتے ہیں کہ وہ ۲۴ مئی ۱۹۴۱ء کو بہ عمر ۶۰ سال دہلی میں فوت ہوئے[۹] اس حساب سے ان کا سن پیدائش ۱۸۸۰ء برآمد ہوتا ہے۔ مگر اکتوبر ۱۹۱۱ء میں انھوں نے لنکنز ان لنڈن Lincoln's Inn London میں بیرسٹری کرنے کے لیے جو داخلہ فارم پر کیا۔ اس میں اپنی عمر ۲۶ سال درج کی۔ اس اندراج سے ان کا سن پیدائش ۱۸۸۵ء نکلتا ہے۔ بہر حال وہ ۱۸۸۰ء اور ۱۸۸۵ کے درمیانی چند سالوں میں پیدا ہوئے ہوں گے۔[۱۰]

شیخ محمد اکرام، شیخ عبدالقادر کے گہرے دوستوں میں سے ایک تھے، ادبی ذوق کے حامل تھے۔ زبان و ادبیات اردو، اس کے لب و لہجے اور محاورے پر عاشق تھے۔ اس لیے جب شیخ عبدالقادر نے اپریل ۱۹۰۱ء میں لاہور سے ''مخزن'' جاری کیا تو شیخ محمد اکرام اس کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں شیخ عبدالقادر بیرسٹری کے لیے انگلستان روانہ ہوئے تو ان کی عدم موجودگی میں انھوں نے نہ صرف 'مخزن' کا اعلیٰ معیار قائم رکھا بلکہ اس کی لیک لاسی اور شہرت میں چار چاند لگا دیے۔

شیخ عبدالقادر بیرسٹری کر کے وطن لوٹے تو انھوں نے دہلی میں پریکٹس کرنے کا ارادہ کیا اور ساتھ ہی ۱۹۰۷ء میں ''مخزن'' اور مخزن پریس کو بھی لاہور سے دہلی لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ شیخ محمد اکرام بھی ''مخزن'' کے ساتھ دہلی منتقل ہو گئے۔ مخزن تو ۱۹۱۰ء میں واپس

لاہور چلا آیا ۔ نہ آئے تو شیخ محمد اکرام ۔ حتیٰ کہ دہلی کی خاک کا پیوند ہوئے ۔ وہ اگست/ستمبر ۱۹۱۱ء میں بیرسٹری کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے اور ۱۸ اومبر ۱۹۱۲ء میں بیرسٹر ہو گئے ۔ وطن واپسی پر دہلی ہی کو مسکن بنایا ۔ پریکٹس نہ جم سکی اور نہ ہی دل جمعی سے کی ۔ ادبی مشاغل میں محو رہے ۔ اس زمانہ کے عظیم ادبا اور شعرا سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم قائم تھے ۔

ان کی بیگم ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں مسز اکرام کے نام سے لکھا کرتی تھیں ۔ جون ۱۹۰۸ء میں مجلہ ''عصمت'' جب دہلی سے جاری ہوا تو وہ اس معروف جریدے کی نائب مدیرہ مقرر ہوئیں ۔ وہ دہلوی تھیں ان کے والد کا نام شیخ کرم بخش تھا ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر تھے ۔ ''مخزن'' جس زمانہ میں دہلی سے نکلتا تھا تو شیخ کرم بخش ہی 'مخزن' پریس میں نگران کی حیثیت سے کام کرتے تھے [11] ۔

بیگم اکرام صاحبہ طرز ادیبہ تھیں ۔ ان کا ایک لڑکا محمد اکرم اور ایک لڑکی انیس تھیں ۔ انیس کے نام پر شیخ محمد اکرام نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک رسالہ ''انیس نسواں'' کے نام سے جاری کیا تھا ۔ ۱۹۴۷ء میں تخلیق پاکستان کے ساتھ بیگم شیخ اکرام اپنے بچوں کو لے کر پاکستان آ گئیں ۔ بہت کوشش کے باوجود ان کا پتہ نہ چل سکا ۔

شیخ محمد اکرام صاحب طرز مضمون نگار نقاد ، شاعر اور سخن فہم تھے ۔ ان کے مضامین اور کلام تمدن، عصمت ، انیس نسواں اور مخزن میں شائع ہوتا رہا ہے ۔ ان رسائل کی فائلوں میں ان کی تحریریں محفوظ ہیں انھوں نے مخزن ، عصمت ، تمدن اور انیس نسواں کو صوری و معنوی لحاظ سے بہترین جریدوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا ۔ وہ موضوع کے عمدہ مواد کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورت پیش کش کا بھی بہت خیال رکھتے تھے ۔ انھوں نے مخزن پریس سے ''ابو مسلم خراسانی اور مثنویات حسن'' جیسی خوبصورت کتابیں شائع کیں ۔ بچوں کے لیے ''انوار سہیلی'' سے سبق آموز کہانیوں کے انتخاب کو عام فہم زبان میں تحریر کیا ۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے اور ۱۹۲۹ء میں لاہور سے شائع ہوئی ۔

حواشی

۱ - سرتھیورڈ ماریسن انگلستان کے علمی و ادبی خاندان کے فرد تھے - ابتدائی حالات پردہ خفا میں ہیں - ٹرینٹی کالج کیمبرج کے گریجویٹ تھے- برصغیر میں راجہ چھتر پور کے اتالیق مقرر ہوئے - ۱۸۹۹ء میں مسٹر تھیورڈ بیک پرنسپل ایم - اے - اوکالج نے ان کو کالج میں انگریزی کا پروفیسر مقرر کیا - سر سید ان کی علمی خوبیوں کی بنا پر ان کو پسند کرتے تھے - وہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ہر سالانہ جلسہ میں شرکت کیا کرتے تھے - کچھ عرصہ بعد ولایت چلے گئے - جب ستمبر ۱۸۹۹ء میں مسٹر بیک کا انتقال ہوا تو انگلستان سے واپس آکر کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے - ۱۹۰۶ء کے قریب دوبارہ ہمیشہ کے لیے انگلستان چلے گئے - بہت نیک مخلص اور دیانتدار انسان تھے - انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر ایک پر مغز خطبہ صدارت سے سامعین کو نوازا - انھوں نے کہا ''ہندوستان کے لوگ ترقی کر سکتے ہیں تو تعلیم ہی کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں - ''برصغیر کے مسلمانوں کے امراض کی نشاندہی کرتے ہوئے انھوں نے کہا دو بڑے مرض جو مسلمانوں کو لاحق ہیں مالی و علمی افلاس کہے جا سکتے ہیں'' -

۲ - ضیا الحسن ندوی ضلع لکھنؤ کے مشہور علوی خاندان کے فرزند تھے- ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے - ندوہ کے دارالسلام میں مولانا حفظ اللہ ، مولانا عبدالشکور اور مفتی عبداللطیف سے تعلیم پائی - ۱۹۰۵ء میں مولانا سید سلیمان ندوی کے ہم درس تھے- علم الکلام اور اعجاز القرآن مولانا شبلی سے پڑھی - ۱۹۰۶ء میں ضیا الحسن اور سید سلیمان کی دستار بندی ہوئی - ۱۹۱۶ء میں ایم اے کیا - ۱۹۱۷ء میں عربی مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے - دارالمصنفین کے رکن تھے - ۱۳ جون ۱۹۴۵ء کو بہ عمر ۵۴ برس انتقال ہوا -

۷ - یاد ایام ، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۵۹ء ، ص ۷۹ -

۴ - نذر اقبال ، ص ۱۶۴ ۱۶۵ -

۵ - نقوش اقبال نمبر ۲ ، ص ۵۷ -

۶ - معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۱۷ -

۷ - اقبال نامہ ج دوم ، ص ۳۵۶ -

۸ - مجلہ المعارف لاہور ، فروری - مارچ ۱۹۷۳ء ، ص ۱ -

۹ - عصمت دہلی ، جلد ۶۶ شمارہ ۶ جون ۱۹۴۱ء ، ص ۳۸۰ -

۱۰ - دی آنریبل سوسائٹی آف لنکنز ان لنڈن ، کے داخلہ رجسٹر کی نقل ، ارسال کردہ مس باربرا بیٹمس ناظم امور طلبا بنام راقم مورخہ یکم جولائی ۱۹۸۲ء -

۱۱ - عصمت ۵۰ سالہ جوبلی نمبر ، ص ۲۴ -

علامہ اقبال اور سردار امراؤ سنگھ شیر گل مجیٹھیا

علامہ اقبال عالم گیر شہرت اور ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کے احباب میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔ سکھ احباب میں امراؤ سنگھ شیر گل مجیٹھیا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ وہ سنسکرت اور فارسی زبان و ادبیات کے عالم تھے۔ انگریزی زبان و ادبیات پر ان کی گہری نظر تھی۔ انہوں نے علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفہ پر متعدد مضامین لکھے۔

سردار امراؤ سنگھ ضلع امرتسر کے ایک گاؤں مجیٹھ میں پیدا ہوئے، یہ گاؤں امرتسر شہر سے نو میل شمال کی جانب واقع ہے۔ اس گاؤں میں سکھوں کا ایک ممتاز خاندان آباد ہے جو مجیٹھیا کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں نہ صرف سیاسی اور سماجی کارکن بلکہ علم و ادب کے دلدادگان بھی بہت تھے جنھوں نے فنون لطیفہ میں اپنے لیے ایک ممتاز مقام پیدا کیا۔ امراؤ سنگھ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

سردار امراؤ سنگھ ۲۲ مئی ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام راجہ سورت سنگھ مجیٹھیا (م - ۱۸۸۱) تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ سردار امراؤ سنگھ اور سردار سندر سنگھ۔ راجہ سورت سنگھ کے انتقال کے وقت ان کے دونوں بیٹے نابالغ تھے۔ سردار امراؤ سنگھ کی عمر صرف گیارہ سال تھی اس لیے راجہ جی کی جائداد کی حفاظت اور دیکھ بھال اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کیپٹن سردار گلاب سنگھ اٹاری والا کو حکومت پنجاب کی طرف سے سربراہ مقرر کیا گیا۔ سردار امراؤ سنگھ نے تعلیم کا آغاز گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر سے کیا اور ایچیسن کالج لاہور میں تعلیم مکمل کی۔

وہ سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے - انگریزی بے داغ لکھتے تھے - آپ کی وفات کے بعد آپ کی لائبریری وشواش وبر انند ویدک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ، سدھو آشرم ، ہوشیارپور کو بطور عطیہ دے دی گئی -

۱۸۸۳ء میں سردار جی کی شادی کیپٹن گلاب سنگھ اٹاری والا کی لڑکی سے ہوئی - شادی کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی - ان شریمتی جی سے آپ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی مگر وہ ۱۹۰۵ء میں سورگباش ہوگئیں - ۱۹۱۱ء میں سردار جی نے ہنگری کی ایک خاتون مادام Antoinette سے شادی کی - اس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ، ایک کا نام امرتا شیر گل اور دوسری کا اندو تھا - امرتا شیر گل نے مصوری میں ممتاز مقام حاصل کیا - مصوری پر چند مضامین بھی لکھے - پیرس میں ان کی شاہکار تصاویر کی نمائش بھی ہوئی تھی ، جنھیں یورپ کے باکمال آرٹسٹوں نے بہت پسند کیا اور ان کا نام چوٹی کے مصوروں میں شمار کیا جانے لگا -

سردار جی نے ۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو صبح ۹ بجے اس جہان فانی کو خیرباد کہا - آپ کی ارتھی ۵ ریس کورس روڈ ، نئی دہلی سے اٹھائی گئی -[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ امراؤ سنگھ اعلیٰ علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے مگر علامہ اقبال کے ساتھ ان کی دوستی کی ابتدا کیسے ، کس کی معرفت اور کن حالات میں ہوئی ، اس سلسلے میں مرزا جلال الدین بار ایٹ لاء بیان کرتے ہیں :

" نواب[2] ذوالفقار علی خاں مرحوم ۱۹۰۰ء میں ولایت سے واپس آ کر لاہور میں مقیم ہوئے اور فیروز پور روڈ پر جسے اب کوئنز روڈ کہتے ہیں ، اپنی چھوٹی کوٹھی میں رہنے لگے - بڑی کوٹھی "زرفشاں" کے نام سے مشہور تھی - فقیر جلال الدین ، نواب صاحب کے ہم جماعت تھے - نواب صاحب میرے عزیز مرزا اعظم بیگ صاحب کے پاس بھی آتے جاتے تھے - مولانا سید ممتاز علی سے بھی

تعلقات گہرے تھے ۔ ان کے پاس اگرچہ گھوڑا گاڑی تھی ۔ موٹریں ابھی نہیں آئی تھیں ، لیکن نواب صاحب گھوڑا گاڑی پر کم سوار ہوتے تھے اور بائیسکل پر مولانا ممتاز علی کے پاس آتے جاتے تھے۔"

"مجھے خیال آیا کہ اپنے دفتر کو چھوڑ کر باہر کوئی کوٹھی لے لوں ۔ اتفاق سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب اپنی چھوٹی کوٹھی کرائے پر دے رہے ہیں ۔ میں نے ان کے پاس اپنا آدمی بھیجا ۔ انھوں نے آدمی سے کہا کہ مرزا صاحب سے کہنا کہ کل چائے میرے ساتھ پئیں کوٹھی بھی ان کو مل جائے گی ۔ اس طرح میرا تعلق نواب صاحب سے قائم ہوا ۔ کوٹھی تو میں نے نہ لی مگر یہ تعلق گہری دوستی کی شکل اختیار کر گیا اور میرے ساتھ ڈاکٹر صاحب (علامہ اقبال) بھی نواب صاحب کے گہرے دوست ان گئے ۔

سر جوگندر سنگھ اور سردار امراؤ سنگھ بھی نواب صاحب کے نہایت عزیز دوست تھے ۔ ان ہی کے ہاں میرے اور ڈاکٹر صاحب کے تعلقات ان لوگوں سے استوار ہوئے ۔"

نواب صاحب کی محفل میں امراؤ سنگھ کے ساتھ جو مراسم پیدا ہوئے ، وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہایت گہرے ہوتے گئے ۔ ان دوستانہ مراسم کا ذکر علامہ اقبال کے دیگر احباب نے بھی اپنے مضامین اور یاد داشتوں میں کیا ہے ۔ حکیم احمد شجاع کا بیان ہے :

"سردار جوگندر سنگھ جو نواب سر ذوالفقار علی خاں کے ساتھ ریاست پٹیالہ میں وزارت کے منصب پر فائز تھے ۔ وہ اور ان کے چھوٹے بھائی[۳] سردار امراؤ سنگھ بھی جو انگریزی زبان کے ایک مشہور شاعر تھے ، جب لاہور آتے تو ہر شام کو اس محفل میں ضرور شریک ہوتے ۔"[۴]

حضرت علامہ جب دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے

لندن گئے تو سردار امراؤ سنگھ پیرس میں مقیم تھے ۔ علامہ نے ان کو اپنی آمد کی اطلاع دی ، چنانچہ پیرس ریلوے اسٹیشن پر امراؤ سنگھ نے ان کا استقبال کیا ۔

اس گول میز کانفرنس میں مولانا غلام رسول مہر نے بحیثیت صحافی شرکت کی تھی ۔ وہ اس بحری سفر اور کانفرنس کی مکمل روئداد مولانا عبدالمجید سالک کو ارسال کرتے رہے ، جو روزنامہ انقلاب میں چھپتی رہی ۔ اس روئداد میں انھوں نے علامہ اقبال کی مصروفیات کا ذکر بھی کیا ہے ، چنانچہ کانفرنس کے اختتام پر جب حضرت علامہ وطن روانہ ہونے لگے تو آپ نے لنڈن سے امراؤ سنگھ کو بذریعہ تار اپنی آمد کی اطلاع دی ۔ ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو صبح ۱۰ بجے آپ لنڈن سے روانہ ہوئے اور ۴ بجے شام پیرس کے اسٹیشن پر پہنچے ۔ امراؤ سنگھ نے ان کا استقبال کیا ۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں :

”حضرت علامہ اور میں بولون سے 'پل مین کار' میں سوار ہوگئے دو بجے کے قریب بولون سے روانہ ہوئے اور چار بجے پیرس کے سٹیشن گار دی لورد ، پہنچ گئے ۔ لنڈن ہی میں حضرت علامہ نے سردار امراؤ سنگھ کو تار دے دیا تھا ۔ وہ سٹیشن پر موجود تھے ۔“

صاحب روزگار فقیر ۱۹۳۲ء کی گول میز کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”۱۹۳۲ء کی تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لنڈن جاتے ہوئے جب ڈاکٹر صاحب کا جہاز بندرگاہ ”وینس“ پر لنگرانداز ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے سید امجد علی کو جو ان کے رفیق سفر تھے ، فرمایا کہ یہاں سے لنڈن ٹرین سے چلیں گے اور راستہ میں دو تین دن پیرس میں ٹھہریں گے ! چنانچہ یہ دونوں وینس سے ٹرین میں سوار ہوکر پیرس پہنچے ، ریلوے سٹیشن پر انہیں خوش آمدید کہنے کے لیے امراؤ سنگھ مجیٹھیا موجود تھے “

امراؤ سنگھ حضرت علامہ کے افکار کے مداح تھے اور آپ کی شاعری کے عاشق ۔ میاں محمد شفیع (م ۔ ش) نے علامہ اقبال اور سردار جی کی گہری اور بے تکلف دوستی کے متعلق ایک واقعہ یوں بیان کیا ہے :

" ایک دن ان کے ایک بے تکلف دوست سردار امراؤ سنگھ مجیٹھیا ملنے کو آئے تو شروع گفتگو میں سردار صاحب انگریزی میں پوچھنے لگے "How is the Muse" ؟ ' اس پر حضرت علامہ نے حقہ کا کش بھرتے ہوئے فرمایا " ایہہ شاعری پری نہیں ، اک ڈاہڈا جن اے ، جیہڑی اک فرمائش پوری کرو تاں دوسری فرمائش لے کے چمبڑ جاندا اے ، میتوں تے ایہدے کولوں بچھا چھڈاناں محال ہو گیا اے ۔" '

اس واقعہ سے حضرت علامہ اور سردارجی کے بے تکلف دوستانہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہے ۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے بھی اپنے مضمون اسماء الرجال اقبال میں (مطبوعہ نقوش ، اقبال نمبر ، نیرنگ خیال نومبر ۱۹۷۷ء میں ص ۲۶۵) ان کی دوستی کے متعلق اشارۃً لکھا ہے :

"غیر مسلموں میں امراؤ سنگھ سے ، جو سندر سنگھ مجیٹھیا کے بھائی تھے اور امرتا شیر گل کے باپ تھے ، بڑی یاری تھی ۔"

سردار امراؤ سنگھ کے ہمراہ ان کے دیگر احباب اور رشتہ دار بھی علامہ اقبال کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے ۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے ۱۹۲۶ء کا ایک واقعہ بیان کیا ہے :

" مسٹر مارٹن[۸] جو دراصل سردار امراؤ سنگھ کی آسٹرین[۹] بیوی کا بھائی تھا ، غالباً اس سے پہلے بھی علامہ اقبال سے مل چکا تھا کیونکہ میں نے اسے پہلی مرتبہ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں سردار امراؤ سنگھ کے ہمراہ علامہ کے ہاں آتے دیکھا تھا تو اس کے پاس ایک کیمرہ بھی تھا اور سردار امراؤ سنگھ کی دو خورد سال صاحبزادیاں (امرتا شیر گل اور اندو) بھی اس کے ساتھ تھیں ۔ سو

علامہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ وہ جوان تھا میرے خیال میں اس وقت اس کی عمر ۳۵ سال کی ہوگی۔ یہ واقعہ ۱۹۲۶ء کا ہے۔ مسٹر مارٹن نے خواہش ظاہر کی کہ علامہ کی تصویر اپنے کیمرے سے لے۔ علامہ نے ان کو سردار امراؤ سنگھ کے ذریعے سمجھا دیا — کہ مسٹر مارٹن — اسی طرح لیٹے ہوئے اسی لباس میں آپ کی تصویر لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اس نے آپ کی تصویر لے لی۔"

حضرت علامہ بھی امراؤ سنگھ کو ملنے کے لیے ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی علامہ اقبال کے ہمراہ شملہ میں مقیم تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال اور میں چھوٹے شملے میں ملک فیروز خاں نون کے ہاں "گڈ ول" میں مہمان تھے۔ ایک روز ہم وہاں سے قریب تین بجے بعد دوپہر محض سردار امراؤ سنگھ سے "سمر ہلز" جہاں وہ رہتے تھے، ملنے کے لیے چل پڑے۔ یہ فاصلہ میرے خیال میں دس میل سے بھی زیادہ تھا۔ چنانچہ ہم نے وہاں پہنچ کر ان سے اور ان کے بچوں سے ملاقات کی۔"[۱۰]

حضرت علامہ، امراؤ سنگھ کے مخلصانہ جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ اپنے دوستوں سے خط و کتابت میں امراؤ سنگھ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ امراؤ سنگھ کی علمی اور ادبی حیثیت کے معترف تھے۔ امراؤ سنگھ نے نہ صرف علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفہ پر مضامین لکھے بلکہ آپ کی بہت سی اردو نظموں کا منظوم ترجمہ بھی انگریزی زبان میں کیا۔ حضرت علامہ امراؤ سنگھ کے تراجم سے مطمئن تھے۔ اسی سلسلے میں علامہ اقبال نے جولائی ۱۹۱۱ء کو عطیہ بیگم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے دوست سردار امراؤ سنگھ (جنھیں میرے خیال میں آپ جانتی ہیں) کو لکھا ہے کہ میں نے مس گوٹس مین (شہزادی

دلیپ سنگھ کی دوست) کے شالامار باغ سے ایک خوبصورت پھول توڑ کر مجھے دینے پر جو چند شعر لکھ کر دئیے تھے، ان کے انگریزی ترجمے کی ایک نقل بھیجے۔"[۱۱]

مولانا شیخ غلام قادر گرامی، شاعر خاص نظام دکن (م : ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء) فارسی کے ایک عظیم شاعر تھے۔ وہ جب بھی لاہور تشریف لاتے تو علامہ اقبال کے یہاں ہی قیام کرتے تھے۔ حضرت علامہ مولانا کی فضیلتِ علمی کے معترف تھے چنانچہ اکثر اپنا فارسی کلام ان کو سناتے اور ان سے مشورہ کرتے۔ وہ بھی اپنا کلام علامہ اقبال کو سناتے اور یہ دو عظیم شاعر اور عالم، کلام کے متعلق بحث و مذاکرہ کرتے۔ امراؤ سنگھ نے علامہ اقبال سے مولانا کا ذکر اکثر سنا تھا اور ان سے ملنے کے مشتاق تھے۔ امراؤ سنگھ کے اس اشتیاق کا ذکر علامہ اقبال نے مولانا کے نام بیشتر خطوط میں کیا ہے :

۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء

"کل سردار امراؤ سنگھ صاحب آئے تھے۔ آج شملہ جائیں گے۔ آپ کو بہت بہت سلام کہتے تھے اور شہزادی دلیپ سنگھ تو آپ کو دیکھنے کی مشتاق ہی رہیں"۔[۱۲]

۶ فروری ۱۹۲۲ء

"آج سردار امراؤ سنگھ صاحب بھی شملہ سے مع اہل و عیال آ گئے ہیں اور دو ماہ لاہور میں قیام کریں گے۔ وہ بھی آپ سے ملنے کے بڑے مشتاق ہیں"۔[۱۳]

۹ فروری ۱۹۲۲ء

"سردار امراؤ سنگھ تشریف لے آئے ہیں۔ کل دیر تک آپ کا تذکرہ رہا اور شعر بازی ہوتی رہی۔ آپ کب لاہور آنے کا قصد کر رہے ہیں"۔[۱۴]

۱۰ فروری ۱۹۱۲ء

"سردار امراؤ سنگھ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں اور علاوہ ان کے شہزای دلیپ سنگھ بھی"۔[۱۵]

علامہ اقبال کا ذاتی کتب خانہ اس وقت اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور کی لائبریری کی زینت ہے۔ اس کتب خانہ میں تین کتابیں ایسی ہیں جن میں سے دو تو کبھی سردار امراؤ سنگھ شیر گل کی ذاتی لائبریری کا حصہ تھیں اور تیسری سردار جی نے علامہ اقبال کو پیرس سے ارسال کی تھی۔ سردار جی کی ذاتی لائبریری کی دونوں کتابوں پر ان کی لائبریری کا نمبر شمار اور ان کے دستخط مع تاریخ اور مقام درج ہیں۔ نمبر شمار سردار صاحب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں۔ ان تینوں کتابوں کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

Sexual Ethics by August Forel Walter Scott

اصل کتاب جرمن زبان میں ہے۔[۱۶] Ashley Dukes نے جرمن متن سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ پر Dr. C. W. Saleeby نے ایک محققانہ مقدمہ لکھکر کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ ترجمہ باسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو لنڈن کے پبلشر The New Age Press نے ۱۹۰۸ء میں شائع کیا تھا۔ اسی سال سردار امراؤ سنگھ نے یہ کتاب خریدی اور اس کے ٹائیٹل پیج کی پشت پر اپنے دستخط سیاہ روشنائی سے ثبت کیے۔

سردار جی نے اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے مندرجہ ذیل صفحات کو سرخ روشنائی سے انڈر لائن کیا ہے۔ کوئی نوٹ وغیرہ نہیں لکھا:

۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۹، ۶۰ اور ۶۲۔

صرف کتاب کے آخری صفحہ یعنی صفحہ ۶۲ پر ایک لفظ Lovers کو انڈر لائن کر کے حاشیہ پر ایک لفظ Enemies لکھ دیا ہے۔

Tolstol, C.L.N. 'Physiology of War'.

1. Napoleon and the Russian Campaign.
2. Power and Liberty.

یہ کتاب سردار جی کے ذاتی کتب خانہ کی ہے ، اس کے ٹائیٹل پیج کی پشت پر سردار جی نے اپنے دستخط کر کے ان کے نیچے ۱۹ اکتوبر ۹۰۹ ء لکھا ہے ۔ کتاب کے ٹائیٹل کے کونے پر نمبر شمار ۱۶۳۵ درج ہے ۔ سیاہ روشنائی سے درج شدہ یہ نمبر بھی اسی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس نے کتاب 'Sexual Ethics' کے کونے پر نمبر شمار ۱۶۵۰ لکھا تھا ۔ سردار صاحب کا اپنا ہینڈ رائٹنگ بہت عمدہ ہے ۔

اصل کتاب فرانسیسی زبان میں طبع ہوئی تھی جس کو Hunting Smith نے انگریزی میں منتقل کیا تھا ۔ یہ انگریزی ترجمہ لنڈن سے شائع ہوا تھا ۔ اس کے پبلشر کا نام Walter Scott ہے ۔ یہی ترجمہ سردار امراؤ سنگھ کی لائبریری سے اقبال کولیکشن میں آیا ہے ۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں گویا ایک جلد میں دو کتابیں ہیں ، پہلے کا نام Napoleon and the Russian Campaign ہے جو ۱۹۰ صفحات یا ۲۸ ابواب پر مشتمل ہے ۔ دوسرے حصے کا نام Power and Liberty ہے ۔ یہ حصہ سولہ ابواب یا ۱۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۔ کتاب کے کل صفحات ۳۲۲ ہیں ۔

اس کتاب کے پہلے حصے کا مطالعہ کرتے ہوئے امراؤ سنگھ نے مندرجہ ذیل ابواب کے مذکورہ ذیل صفحات کو سیاہ پنسل سے انڈر لائن کیا ہے :

1. Translator's Preface VIII, IX
2. CHAPTER IV — How far Napoleon's Will influenced the Battle of BORODING — 39, 41, 42

3.	CHAPTER V	The Retreat to FILY	49, 50, 52
4.	CHAPTER VI	Moscow abandoned by its inhabitants	54, 57
5.	CHAPTER IX	The Battle of TAROUTINO	79, 80
6.	CHAPTER XII	The Victories and What followed	115,116,118,119
7.	CHAPTER XIII	The Spirit of the Troop and Guerilla Warfare	122, 123
8.	CHAPTER XIV	The Flight of Napoleon	136. 137, 138
9.	CHAPTER XV	Pursuing the French	147
10.	CHAPTER XVI	Koutozof	154, 157, 159, 166
11.	CHAPTER XVIII	Napoleon and Alexander	171

کتاب کے دوسرے حصے کا مطالعہ کرتے ہوئے امراؤ سنگھ نے مندرجہ ذیل ابواب کے سامنے لکھے گئے صفحات کو سیاہ پنسل سے انڈر لائن کیا ہے:

1.	Translator's Preface	5
2.	The Object of History	15
3.	The Contradictions of Historians	27, 28, 30
4.	The Idea of Power	36, 38, 39
5.	Relation of Commands to Power	75

6. The Ultimate Limit of Thought 78, 79

7. The Problem of Free Will 83, 84, 88, 90, 92

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سردار جی نے اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا ہے ۔ ہر باب کے اختتام پر پنسل سے (√) کا نشان لگایا ہے ۔ یہ نشان اس بات کی علامت ہے کہ نشان زدہ باب آپ نے پڑھ لیا ہے ۔ مختلف ابواب کے مختلف صفحات کو سیاہ پنسل سے انڈر لائن کرنے کے علاوہ بعض صفحات پر حواشی بھی لکھے ہیں :

کتاب کے پہلے حصے کے باب نمبر XII بعنوان The Victories and what followed کے صفحہ نمبر ۱۱۹ پر مندرجہ ذیل عبارت حاشیہ پر لکھی ہے :

Contrary to the Spirit of the author's later Teachings based on the law of love.

اسی حصہ کے باب نمبر XVIII ، جس کا عنوان Napoleon and Alexander ہے صفحہ نمبر ۱۷۱ پر ایک دوسری کتاب کے باب کا حوالہ اس طرح دیا ہے :

CH (Chapter) II of EPELOG TO WAR AND PEACE

پہلے حصے کے اختتام پر سردار امراؤ سنگھ نے اپنے دستخط کیے ہیں اور تاریخ لکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا حصہ انھوں نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو ختم کیا ۔

کتاب کے دوسرے حصے کے پہلے باب بعنوان The Object of History کے آغاز میں حوالہ کے لیے امراؤ سنگھ نے یوں لکھا :

PEACE AND WAR EPELOG : Part II, CH : 1

یہاں وہ War and peace لکھنے کی بجائے جلدی میں Peace and War لکھ گئے ہیں ۔

اسی حصہ کے باب نمبر IX بعنوان The Ultimate Limit of Thought کے صفحہ نمبر ۹۷ پر مندرجہ ذیل حواشی رقم کیے ہیں :

1. Power : Defined
2. The force that puts people in motion

یہ حواشی باریک پنسل سے خوش خط لکھے ہوئے ہیں لیکن صاف پڑھے جاتے ہیں .

امراؤ سنگھ شیر گل نے اس حصہ کے باب نمبر XII کے عنوان Space, Time and Casuality کے گورمکھی مترادفات گورمکھی رسم الخط میں تحریر کیے ہیں - یہ تینوں مترادفات باریک سیاہ پنسل سے نہایت خوش خط لکھے ہوئے ہیں .

دوسرے حصے کے صفحہ ۱۳۲ کے اختتام پر امراؤ سنگھ نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۹ء بمقام سسوری مندرجہ ذیل حواشی لکھے ہیں - مذکورہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب انھوں نے صرف سات دن میں پڑھی تھی :

These two books appear to have been written by Tolstoy before the great change of moral and religious consciousness came over him.

اس صفحہ پر امراؤ سنگھ نے کتاب کے پہلے حصے کے صفحات ۱۹۰ اور دوسرے حصے کے صفحات ۱۳۲ کو جمع کر کے حاصل جمع ۳۲۲ اس طرح نکالا ہے - ۱۹۰ + ۱۳۲ = ۳۲۲ .

موضوع کے لحاظ سے یہ تاریخ کی کتاب ہے جس میں نپولین کا روس پر حملہ اور اس کے اثرات قلمبند ہوئے ہیں . اس کتاب میں انسان کا احترام اور انسانیت سے محبت کا پرچار کیا گیا ہے -

اس کتاب کے اختتام پر انگریزی کی نئی اور پرانی مطبوعات کی ایک فہرست دی گئی ہے . جس پر امراؤ سنگھ نے اپنی پسند کی

مندرجہ ذیل کتابوں کو نشان لگایا ہے جس طرح کسی شخص کی پسند یا ناپسند سے اس کے ذہنی رجحانات کا پتہ چلتا ہے، اسی طرح کسی شخص کی ذاتی لائبریری سے اس کے مذاق کا علم ہو جاتا ہے۔ یہ فہرست اسراؤ سنگھ کے ادبی اور علمی رجحانات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

COUNT TOLSTOY'S WORKS

1. My Religion.
2. Life.
3. My Confession.
4. Childhood, Boyhood, Youth.
5. The Physiology of War.
6. Anna Karenine.
7. What to do ?
8. War and Peace. (4 vols.)
9. The Long Exile, Etc.
10. The Kreutzer Sonata, and Family Happiness.
11. The Kingdom of God is within you.
12. Work while ye have the Light.
13. The Gospel in Brief.
14. Where Love is, there God is Also.
15. The Two Pilgrims.
16. What men live by.
17. The Godson.
18. If You Neglect the fire, You don't put it out ?
19. What shall it Profit a man ?

---

1. Martin Chuzzlewit.
2. Rienzi.
3. The Last Days of Pompeii.
4. Vicar of Wakefield.
5. Uncle Tom's Cabin.
6. Last of the Barons.
7. Night and Morning.
8. Essays on Elia.
9. Arabian Nights.
10. Swiss Family Robinson.
11. Three Musketeers.
12. Hypatia.
13. Zanoni.
14. John Halifax Gentle.
15. Westward Ho : (Man LAVENGRO).
16. In His Steps.
17. His Brother's Keeper.
18. Richard Bruce.
19. The Scarlet Letter.
20. Adam Bede.
21. A Tale of Two Cities.
22. Grimm's Fairy Tales.
23. Anna Karenina By Count Tolstoy,
24. Miserables, Les. By Victor Hugo.
25. War and Peace. By Count Tolstoy.

تیسری کتاب :

RECUEIL DE TEXTES INEDITS CONCERNANT L'HISTOIRE DE LA MYSTIQUE EN PAYS D' ISLAM by LOUIS MASSIGNON

یہ کتاب ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ۱۹۲۹ء میں پیرس سے شائع ہوئی تھی ۔ اس کا موضوع تصوف اور تاریخ تصوف ہے ۔ فرانس کے مشہور مستشرق میسینون[۱۸] نے حیات ، حیات بعد الموت ، روح اور حقیقتِ روح کے بارے میں مختلف مسلمان صوفیا اور صوفی شعراء کے اقوالِ فارسی و عربی جمع کیے ہیں اور ان کو موضوع کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے ۔ آغاز اس نے ان شعرا اور صوفیا کے مختصر حالات زندگی سے کیا ہے ۔ یہ سب سوانحی حالات فرانسیسی زبان میں ہیں ۔ اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ، پہلا حصہ ۲۹۰ ہجری تک کے صوفیا اور شعراء کے حالات اور اقوال سے مزین ہے ، دوسرا حصہ ۲۹۰ ہجری سے ۵۷۰ ہجری تک ، تیسرا ۵۷۰ ہجری سے آخر تک اور چوتھا حصہ مختلف صوفیا اور صوفی شعرا کی منتخب تحریروں پر مشتمل ہے ۔

امراؤ سنگھ سے میسینون کے دوستانہ تعلقات تھے ۔ اس لیے میسینون نے دوستانہ مروت اور تعلقات کی بنا پر اپنی تصنیف امراؤ سنگھ کو تحفتاً پیش کی مگر امراؤ سنگھ نے علامہ اقبال کے مذاق کا خیال کرتے ہوئے ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو پیرس سے یہ کتاب اپنے دوست علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کر دی ۔ کتاب کے ٹائیٹل پیج پر مندرجہ ذیل نو سطری تحریر سیاہی سے نہایت خوش خط لکھی ہوئی موجود ہے :

My dear M. Iqbal,

I am sending to you this work which was presented to me kindly by the author. It will be more useful to you as you are at home in Arabic.

Yours

Umrao Singh.

14 Nov. 1929
Paris.

امراؤ سنگھ نے حضرت علامہ کی میسینوں سے ملاقات بھی کرائی تھی۔

مشہور سیاست دان اور ادیب مسٹر مالاباری ایک انگریزی رسالہ ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' بمبئی سے نکالا کرتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد سردار امراؤ سنگھ شیر گل، سردار جوگندر سنگھ اور نواب ذوالفقار علی خاں نے مل کر اس کی ادارت کا بوجھ سنبھالا تھا۔ امراؤ سنگھ نے اس پرچہ میں علامہ اقبال کے فلسفہ اور شاعری پر کئی مضامین لکھے۔ محمد عبداللہ قریشی لکھتے ہیں:

> ''مسٹر مالاباری کے انتقال کے بعد ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' کی عنان ادارت عملاً سردار امراؤ سنگھ، سردار جوگندر سنگھ اور نواب ذوالفقار علی خاں ہی کے ہاتھوں میں رہی''۔[۱۹]

کتاب ''اے وائس فرام دی ایسٹ'' (A Voice from the East) نواب ذوالفقار علی خاں نے حضرت علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفہ کو انگریزی دان طبقے اور انگریز احباب کو متعارف کرنے کے لیے لکھی تھی۔ حکیم احمد شجاع کا بیان ہے:

> ''اس محفل میں (نواب ذوالفقار علی خاں ۲۰ کی محفل) کبھی کبھی نواب سر ذوالفقار علی خاں کے کچھ انگریز دوست بھی آ نکلتے تھے اور یہ سن کر کہ اقبال ایشیا کا ایک عظیم المرتبت مفکر اور شاعر اس مجلس میں موجود ہے، اکثر آرزو مند ہوتے کہ ان کے اشعار کا انگریزی ترجمہ انہیں بھی سنایا جائے۔ ان لوگوں کا یہی اصرار نواب سر ذوالفقار علی خاں کی مشہور تصنیف ''اے وائس فرام دی ایسٹ'' کی تصنیف کا محرک ہوا جو انھوں نے اس زمانے میں اقبال کے افکار کو یورپ سے متعارف کرنے کی غرض سے لکھی''۔[۲۱]

اس کتاب کو ۱۹۲۲ء میں مرکنٹائل پریس ریلوے روڈ لاہور نے $۱۴\frac{۱}{۲} \times ۱ \times ۲۲\frac{۱}{۲}$ سنٹی میٹر سائز پر شائع کیا تھا۔ یہ

کتاب ۷۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔ کتاب کا آغاز امراؤ سنگھ شیر گل کے پیش لفظ سے ہوتا ہے ۔ نواب صاحب نے اپنے دیباچہ میں امراؤ سنگھ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امراؤ سنگھ نے ان اردو اشعار کا منظوم انگریزی ترجمہ کیا ہے جو حوالے کے طور پر اس کتاب کی زینت ہیں :

In conclusion I wish to acknowledge with sincere admiration and affection the work of translation of Urdu poems which my friend Sardar Umrao Singh did for me. Qoutations from the Persian poem "Asrar-i-Khudi" are taken from Dr. Nicholson's translation of that poem.[۲۲]

اس کتاب میں نہ صرف علامہ اقبال کے فلسفہ کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے بلکہ ان کی شاعری کے محاسن کو بھی نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے ۔ جناب محمد عبداللہ قریشی اس کتاب کی خوبیوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

"اس کتاب[۲۳] کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اردو فارسی[۲۴] کے جتنے اشعار زیر بحث آئے ہیں ان کا ترجمہ نواب صاحب کے ایما پر سردار امراؤ سنگھ شیر گل نے کیا ہے ۔ وہ ایک منجھے ہوئے صحافی ، انگریزی زبان کے ایک مشہور رسالے کے ایڈیٹر اقبال کے نہایت مخلص دوست اور مداح تھے ۔ ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ۔ ہر زبان کی اپنی خصوصیات ، اپنا مزاج ، اپنی تراکیب ، اپنے محاورے ، اپنا روزمرہ ، اپنی تشبیہات ، اپنے استعارے ، اپنی تلمیحات ، اور اپنے صنائع بدائع ہوتے ہیں ، جن سے پوری طرح لطف اندوز ہونا غیر زبان والوں کے بس کی بات نہیں ہوتی ۔ یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ترجمہ کرنے والی چیز اقبال جیسے عظیم شاعر اور مفکر کی کوئی ایسی شعری تخلیق ہو جو حسین و لطیف جذبات ، جوش و سرمستی

سے لبریز تخیلات ، نازک اور عمیق افکار اور ولولہ انگیز پیغام کی حامل ہو اور مترنم بحور اور قوافی میں لپٹی ہو ۔ سردار امراؤ سنگھ کا ان مشکلات سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا واقعی قابلِ تعریف کارنامہ ہے ۔ ان کے ترجمے نے کتاب کی قدر و قیمت کو چار چاند لگا دئیے ہیں ۔ ''مشرق کی آواز'' آج بھی فضا میں گونج رہی ہے اور کانوں میں رس گھول رہی ہے ۔''

ایک زبان سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ایک فن ہے اور اس فن سے نہایت عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا بہت مشکل کام ہے مگر امراؤ سنگھ نے علامہ اقبال کے اشعار کا ترجمہ اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے جو ان ترجمہ کی بہترین مثالوں میں شامل کیا جا سکتا ہے ۔

سردار امراؤ سنگھ نے مندرجہ ذیل چار نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے :

۱ - تصویر درد
۲ - مارچ ۱۹۰۷ء
۳ - صقلیہ
۴ - محبت

یہ چاروں نظمیں ''بانگِ درا'' میں شامل ہیں مگر حضرت علامہ نے بعض اشعار اور مصرعوں کو بدل دیا ہے ۔ کچھ اشعار کی تعداد میں بھی کمی بیشی کی ہے ۔

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی نا آشنا خم سے
ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے

قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا
نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلم سے

ابھی امکان کے ظلمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
مذاق زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

کمال نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتداء گویا
ہویدا تھی نگینے کی تمنا چشمِ خاتم سے

سنا ہے عالمِ بالا پہ کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کے خاکِ پا میں بڑھ کر ساغرِ جم سے

لکھا تھا عرش کے پایہ پہ اک اکسیر کا نسخہ
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے

نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی
وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دلی آخر بر آئی سعیِ پیہم سے

پھرایا فکر اجزا نے اسے میدانِ امکاں میں
چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے

تڑپ بجلی سے پائی حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفسہائے مسیحِ ابنِ مریم سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی افتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے

مہوس نے یہ پانی ہستیٔ نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے اس کے گویا کارِ عالم سے

ہوئی جنبش عیاں ذروں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے

خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی داغ پائے لالہ زاروں نے ۲۵

(1) As yet the tresses of the bride of night.
Were not familiar with their graceful curls.

(2) And stars of heaven had tasted not the bliss
Of whirling motion through the depths of space.

(3) The moon in her new robes looked rather strange.
And knew not revolution's ceaseless law.

(4) From the dark house of possibilities
The world had just emerged to spinpalong.

(5) No joy of life had throbbed as yet within
The furthest limits of immensity.

(6) The order of existence scarcely had
Begun unfoling to perfectionment.
It seems as if the world like to a ring.
Whose socket waiteth for its precious stone,
Longed to evolve the archetypes to come.

(7) They say there was an alchemist on high ;
Dust of whose footsteps sparkled even more.
Than Jamshed's crystal cup wherein the King
Beheld the marvels of a Universe.

(8) And on the pedestal of heaven there was
Engraved Elixir's wondrous recipe
Which angels always guarded from the ken
Of Adam's soul destined by it to live

(9) The alchemist was ever on the watch
Knowing this recipe more precious far
Than the great name itself;till seemingly.

(10) Saying his orisons, he nearer drew
And gained the strictly guarded pedestal.
His constant effort yielding in the end
The fruit of his desire for which he burned.

(11) And having learnt it, he went forth to seek
Through the vast field of possibilities
For its ingredients and collected them,
Yea ; What is there that can be hid from those
Who know the halls where truth for ever dwells.

(12) From stars he took their brightness ; from the moon
The marks of burnt out passions of the past
And from Night's floating and dishevelled tresses
A little darkness; from the lightning he
Received its restlessness; and purity
From Houries; the gentle warmth that runs
Rippling from healing breath of Mary's Son.
Then from the quality of providence
He took that splendour which dependeth not
On aught else than itself, and from the dew
And angels took he their humility.
Then in the waters of the spring of life
He made them to dissolve; and from the Throne
Of the Most High they called this essence "Love".
That alchemist sprinkled this liquid on
New sprouting being, and its magic touch
Released the spell-bound process of the worlds.
Motion appeared in atoms; forth with they
Abandoned their repose and roused themselves
Embracing their affinities again,
The suns and stars rolled in majestic curves
The buds received fresh tints, and poppy flowers
Were branded with the burning marks of Love.

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر لہا خار زار ہوگا

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا

کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پا بگل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز دار ہوگا[۲۶]

---

1. "The time of unveiling has come,
   The Beloved will be seen by all,
   That secret which was veiled by silence
   Shall become manifest.
2. That cycle has gone O cup bearer when they drank in hiding,
   The whole world shall become a tavern, and all shall drink
3. Those who wandered insane, shall return to dwell in cities,

Their feet shall be naked as before, but those meadows shall be new.

4. The silence of Mecca has preclaimed to the expectant ears, at last.

   The compact which was made with the desert dwellers shall become once more strengthened

5. The Lion which came out of the wilderness and upset the Empire of Rome,
   I here from angels that he shall awaken once more.

6. O dwellers of western lands. God's world is not a shop,

   That which you considered good coin shall prove to be of low value.

7. Your civilization will commit suicide with its own dagger,

   A nest built on a slender bough cannot last.

8. Even the frail petal of a rose will be made into a boat for the carven of the despised ant,
   No matter what storms and cyclones may rage, but it will safely cross the angry seas.

9. One day I remarked to a dove "The liberated of this place are rooted to the earth",

   The buds made a prompt reply and said "Surely he has discovered the secret of our rose garden".

تصویر درد

دا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

دکھا دوں گا میں اے ہندوستان رنگ وفا سب کو
کہ اپنی زندگی تجھ پہ قربان کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری ظلمت میں میں روشن چراغاں کر کے چھوڑوں گا

نہیں بے وجہ وحشت میں اڑانا خاک زندان کا
کہ میں اس خاک سے پیدا بیاباں کر کے چھوڑوں گا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

تعصب نے مری خاک وطن میں گھر بنایا ہے
وہ طوفاں ہوں کہ میں اس گھر کو ویراں کر کے چھوڑوں گا

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے ہوئے دانوں کا
جو مشکل ہو تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

اگر آپس میں لڑنا آج کل کی ہے مسلمانی
مسلمانوں کو آخر نا مسلمان کر کے چھوڑوں گا

اٹھا دوں گا نقاب عارض محبوب یکرنگی
تجھے اس خانہ جنگی پر پشیماں کر کے چھوڑوں گا

دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

1. This day I shall expose my hidden wounds,
I shall weep blood till I have turned my assembly into a garden.

2. I shall show to every one what faithfulness means, O Hindustan !

For I shali not cease till I have sacrificed my life to thee.

3. I have to light every heart's lamp with my hidden fire.

I shall celebrate a festival of illumination in thy darkness.

4. Not without reason in my frenzy I scatter dust in the prison house, for I shall create an expansive desert with this dust.

5. I shall sow the handful of my dust,

so that out of it hearts full of feeling may come to life like buds,

6. Bigotry has made its home on the soil of my country I am that storm which shall wreck this home.

7. To string all these seattered beads in a single rosary, even if it is difficult, I am determined to accomplish it.

8. If to be a Moslem In these days means to quarrel with one another,

I shall convert thsse Moslems inlo non-Moslems.

9. I shall lift the veil from the face of the Beloved Unity;

And I shall make thee ashamed of this internal discord.

(10) I shall show to the world what mine eyes have seen,

And I shall make thee wonder like the eye of the mirror.

صقلیہ (جزیرہ سسلی)

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونبالہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

یہ محل خیمہ تھا ان صحرا نشینوں کا کبھی[1]
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
شعلۂ جاں سوز پنہاں جن کی تلواروں میں تھے[2]

آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل
جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل

زندگی دنیا کو جن کی شورشِ قم سے ملی
مخلصِ انساں کو زنجیرِ توہم سے ملی

جس کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

آہ اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو

لب تیرے خال سے رخسار دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلی بحر و بیا کو رہے

ہو سبک چشم مسافر پر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کے چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حسن عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ان ہدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی

مرثیہ تیری تباہی کا مری قسمت میں تھا
یہ تڑپنا اور تڑپانا مری قسمت میں تھا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان ؟
تیرے ساحل کی خموشی میں ہے الداز بیان

درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کا کارواں کی گرد ہوں

رنگ تصویر کہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے
قصہ ایام سلف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے

میں ترا تحفہ سوئے ہندوستان لے جاؤں گا
خود یہاں روتا ہوں اور ان کو وہاں رلواؤں گا

1. Weep to thy heart'a content, O blood weeping eye,
yonder is visible the tomb of Muslim culture.

2. Once this palace was the tent of these dwellers of the desert,

for whose ships the Ocean was a playground.

3. Who raised earthquakes in the palaces of the king of kings.

in whose swords lay hidden life scorching flames.

4. Whose birth was death for the old world,

Whose fear caused the palaces of error to tremble,

5. Whose cry of "arise" gave life to the world and freedom to men from the chains of superstition.

6. Is that drum silent for ever, whose reverbrations delight the ear to this day ?

7. Oh Sicily the sea is honoured by thee, thou art a beacon in the desert of these waters.

8. May the cheek of the Ocean remain adorned by thy beauty spot;

May thy lamp comfort sea-farers

9, May thy views be ever comforting to the eyes of the traveller,

May thy waves ever dance on thy rocks.

10. Once thou wast the cradle of the civilization of the people,

The fire of whose glance was world-burning beauty.

11. The nightingale of Shiraz wailed over Baghbad
And Dagh wept tears of blood ever Delhi,

12. When the heavens scattered the wealth of Granada to the winds,
The sorrowful heart of Ibn-i-Badrun cried out

13. The dirge of thy ruin was to fall to my lot.
It was in my lot to suffer this agony and to make others suffer.

14. Whose story is hidden in thy ruins ?
The silence of thy footfall hath a mode of expression.

15. Tell me of thy sorrow—I too am full of pain;
I am the dust of that caravan whose goal thou wast.

16. Paint over this picture once more and show it to me,
Make me suffer by telling the story of ancient days.

17. I shall carry thy gift to India,
I shall make others weep as I weep here

حواشی

۱ - ڈاکٹر سر ہریندر سنگھ مجیٹھیا (نبیرہ امراؤ سنگھ) گورکھپور ، (بھارت) مکتوب نمبر ۱۳۳۳ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۷۹ء بنام محمد صدیق (لاہور) ۔

۲ - مرزا جلال الدین بیرسٹرایٹ لاء ، روایات اقبال، از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ، ص ۱۱۰ ۔ ۱۱۱ ۔

۳ - سردار امراؤ سنگھ کے بھائی کا نام سردار سندر سنگھ بجیٹھیا تھا - سردار جوگندر سنگھ ان کے بھائی نہیں تھے - حکیم احمد شجاع مرحوم کو تسامح ہوا تھا -

۴ - حکیم احمد شجاع - ''اقبال کا قیام لاہور'' نقوش اقبال نمبر ۱۲۳ - دسمبر ۱۹۷۷ء ، ص ۵۶۵ -

۵ - محمد رفیق افضل - گفتار اقبال ''گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کی مصروفیات'' از مولانا غلام رسول مہر ، ص ۲۶۲ -

۶ - روزگار فقیر جلد اول ، ص ۱۳۳ - ۱۳۴ ایڈیشن ۱۹۶۶ء -

۷ - م - ش : ''اقبال چند یادیں'' اوراق گم گشتہ، مرتبہ رحیم بخش شاہین ص ۲۴۵ -

۸ - ڈاکٹر عبداللہ چغتائی : ''علامہ کے چند غیر مسلم احباب'' - ہفت روزہ ''لاہور'' ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء ، ص ۱۰ -

۹ - ہنگری -

۱۰ - ڈاکٹر عبداللہ چغتائی : ''علامہ کے چند غیر مسلم احباب'' - ہفت روزہ ''لاہور'' ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء ، ص ۱۰ -

۱۱ ، عطیہ بیگم : ''اقبال'' ترجمہ عبدالعزیز خالد ، ص ۷۵ -

۱۲ - مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ، ص ۱۷۰-۱۷۱

۱۳ - مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی، ص ۱۹۲ ۱۹۳۰

۱۴ - مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ، ص ۱۹۴ - ۱۹۵ -

۱۵ - مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ، ص ۱۹۶ - ۱۹۷ -

16. Ashley Dukes, 1885.
· The Youngest Drama, 1923 Drama Arms, 1930.
Webester's Biographical Dictionary, pp. 448 ed : 1958.

۱۷ - ''ٹالسٹائی (۱۸۲۸ء - ۱۹۱۰ء) روسی ناول نویس اور فلسفہ دان ، روس کے صوبہ TULA میں پیدا ہوا ، اس نے تمام دنیا کی ادبیات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

کتابیں : War and Peace, 1066, Anna Karenina, 1875-77
What is Art ? 1896 W.B.D. p. 1476 ed : 1958.

۱۸ - میسینون ، لوئی (۱۸۸۳ء - ۱۹۶۲ء) فرانسیسی مستشرق، پیرس کے نواحی گاؤں تو جاں میں پیدا ہوئے۔ منصور پر تحقیقی کام کی وجہ سے شہرت پائی - ۱۵ جون ۱۹۳۵ء کو آپ نے علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دی —

کتابیں : (۱) الطواسین ۱۹۱۳ء -
(۲) اخبار حلاج ۱۹۱۴ء -
(۳) دیوان منصور حلاج -

ڈاکٹر سید عبداللہ : متعلقات خطبات اقبال ، ص ۱۳۲ -
ڈاکٹر لیئق بابری: برگساں اور میسینون سے اقبال کی ایک ملاقات پاکستان ٹائمز مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۷۸ء (انگریزی) -

۱۹ - محمد عبداللہ قریشی: معاصرین اقبال کی نظر میں ، ص ۲۵۶ - ۲۵۷ ،

۲۰ - نواب سر ذوالفقار علی خاں آف مالیر کوٹلہ ۱۸۷۳ء - ۲۶ مئی ۱۹۳۳ء) آپ کے والد کا نام نواب غلام محمد خاں تھا۔ آپ نے چیف کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی ، یورپ میں تین سال رہ کر پیرس اور کیمبرج سے اکتساب علم کیا - مختلف ادبی سماجی ، سیاسی اور تعلیمی انجمنوں کے معزز عہدوں پر فائز رہے - ۱۹۱۰ء میں ریاست پٹیالہ کے وزیراعظم بنے -

کتابیں : (۱) سوانح عمری مہاراجہ رنجیت سنگھ ۔

(۲) شیر شاہ سوری (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کریں :
معاصرین اقبال کی نظر میں از محمد عبداللہ قریشی ،
ص ۲۵۵-۲۶۸ ۔)

۲۱ ۔ حکیم احمد شجاع : ''اقبال کا قیام لاہور'' نقوش ، اقبال نمبر ۱۲۳ ، دسمبر ۱۹۷۷ء ، ص ۵۶۴ ۔

22. A Voice from the East pp. VI.

۲۳ ۔ محمد عبداللہ قریشی : ''معاصرین اقبال کی نظر میں'' ، ص ۲۶۱ ۔

۲۴ ۔ ''وائس فرام دی ایسٹ'' کے دیباچہ میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ اردو اشعار کا ترجمہ امراؤ سنگھ نے کیا اور فارسی اشعار کا ترجمہ ڈاکٹر نکلسن کے ترجمہ اسرار خودی سے لیا گیا ہے۔

۲۵ ۔ یہ نظم علامہ اقبال نے ۱۹۰۶ء میں لکھی ۔ بانگ درا میں ''محبت'' کے عنوان کے تحت طبع ہوئی ۔ بانگ درا میں شامل نظم سولہ اشعار کی لڑی ہے ۔ اس کتاب میں شامل نظم پندرہ اشعار پر مشتمل ہے بانگ درا کی طباعت کے وقت علامہ اقبال نے اس شعر کا اضافہ کیا

''چمک تارے سے مانگی چاند سے داغ جگر مانگا
آڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلف برہم سے''

یہ شعر نواب ذوالفقار کی کتاب میں شامل نہیں تھا اس لیے امراؤ سنگھ کے ترجمے میں بھی شامل نہیں ۔

بانگ درا ، ص ۱۱۱ ایڈیشن ستمبر ۱۹۷۵ء ۔

۲۶ ۔ یہ غزل بانگ درا میں بعنوان ''مارچ ۱۹۰۷ء'' شامل ہے ۔ سترہ اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب میں صرف نو اشعار کو نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے ۔ چنانچہ امراؤ سنگھ نے انھی نو اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا ہے ۔

بانگ درا ، ص ۱۴۰ ، ایڈیشن ۱۹۷۴ء ۔

۲۷ بانگ درا میں شامل "تصویر درد" آٹھ بند پر مشتمل ایک طویل نظم ہے مگر " A Voice from the East " میں امراؤ سنگھ شیر گل نے صرف دس اشعار کا انگریزی ترجمہ کیا۔ علامہ اقبال نے ان اشعار میں سے شعر نمبر ۲، ۳، ۶، ۸ اور ۹ یعنی پانچ اشعار بانگ درا میں شامل نہیں کیے اور تیسرے شعر کے دوسرے مصرعے کو اس طرح بدل کے شامل کیا " تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا"۔

۲۸۔ بانگ درا کے موجودہ ایڈیشن میں علامہ اقبال نے ان کو اس طرح تبدیل کر دیا۔

(۱) تھا یہاں ہنگامہ ان صحرانشینوں کا کبھی

(۲) بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

(۳) مردہ عالم زندہ جن کی شورش قُم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیر توہم سے ہوا
غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

(۴) غم نصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا